تعلیمات قرآن و سنت اور نشأۃ اسلامیہ کا علمبردار

سرپرست
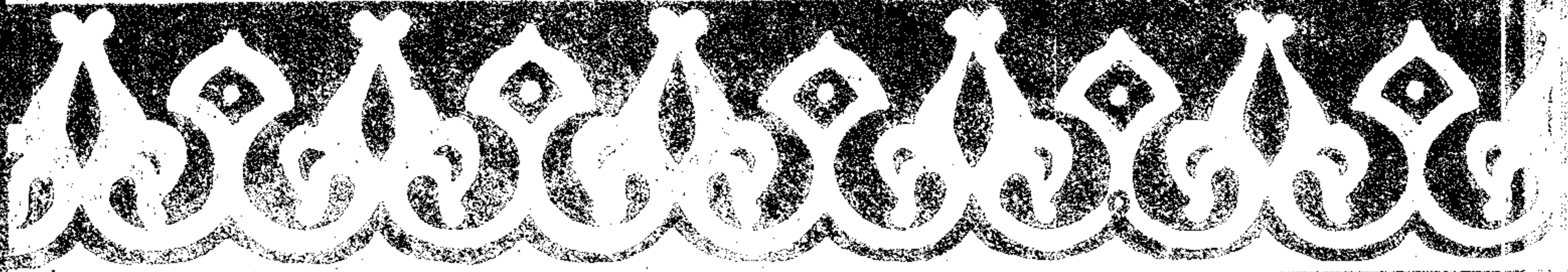
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

دارالعلوم حقانیہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کی

مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس

بتاریخ ۲ / ۳ / ۴ رجادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۸ / ۲۹ / ۳۰ مارچ ۱۹۸۲ء بروز اتوار ، سوموار مجلس شوریٰ وفاق المدارس العربیہ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوگا جس میں وفاق سے ملحق ہر مدرسہ فوقانی ، وسطانی اور ابتدائی کے مہتمم صاحب یا ان کا بااختیار نمائندہ کی شرکت ضروری ہے۔

جن سے درخواست ہے کہ خود تشریف لائیں یا اپنے نمائندہ کو ضرور بھیجیں۔ یہ اجلاس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں منعقد ہوگا۔ قیام و طعام کا مناسب انتظام کیا جائے گا۔ موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔

نوٹ :- آپ کو معلوم ہوگا کہ سماحۃ الشیخ عبداللہ الزاید نائب رئیس جامعہ مدینہ منورہ نے ۱۱ رنومبر سے ۱۰ ر تک وفاق کے اکثر بڑے مدارس کا دورہ اور معائنہ کیا۔ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے ساتھ وفاق کے نصاب تعلیم کے معادلے کے علاوہ بعض دیگر اہم امور کا وعدہ بھی فرمایا اور چند مفید تجاویز پیش فرمائیں۔

ان اہم تجاویز پر غور کرنے کے لئے وفاق کے مجلس عاملہ کا اجلاس مورخہ ۱۲ رصفر ۱۴۰۲ھ کو جامعہ علوم اسلامیہ کراچی اور فوقانی مدارس کا اجلاس مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوا۔ نائب رئیس کی تجاویز منظور کیا گیا۔ نصاب کے معادلے کا کام ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ مجلس شوریٰ کے اس اجلاس میں ان امور پر خصوصیت سے غور کیا جائے گا۔

پروگرام

۱۔ تاریخ ۲ / ۳ جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۸ / ۲۹ مارچ ۱۹۸۲ء بروز اتوار ، سوموار

۲۔ وقت مجلس شوریٰ کی پہلی نشست ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک ہوگی۔ ۲۸ مارچ کو تین اور ۲۹ مارچ کو دو اجلاس ہوں

۳۔ مقام دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

ایجنڈا :-

۱۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے ساتھ نصاب کے معادلے پر غور۔ ۲۔ نصاب کی مقبولیت اور اس کے عملی نفاذ پر غور ۳۔ قواعد و ضوابط برائے ملحقہ مدارس کے عملی نفاذ کے لئے اقدام۔ ۴۔ میزانیہ کی منظوری۔ ۵۔ تعداد اراکین مجلس کے اضافے سے متعلق دستور کی دفعہ ۵ حصہ اہیں ترمیم۔ ۶۔ دینی مدارس کی اصلاح طلب امور پر غور۔ ۷۔ وفاق کو مزید مؤثر بنانے کی تجاویز

الداعی :- (مولانا) سلیم اللہ خان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان - ملتان

مولانا محمد ادریس میرٹھی - صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

فون نمبر دارالعلوم ۔۔ ۴

جلد نمبر : ۱۷

شمارہ : ۴

فون نمبر رہائش ۔۔ ۲

ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

فروری ۱۹۸۲ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۔/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

——— وفاقی مجلسِ شوریٰ

صدرِ پاکستان کی نامزد کردہ وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ تشکیل پا چکی ہے۔ اور اس کے حسن و قبیح دونوں پہلوؤں پر ملک بھر میں سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے۔ اسی کونسل میں بلا کسی ادنیٰ طلب یا کسی پیشگی مشورہ کے ناچیز کا نام بھی شامل کر دیا گیا ہے جس پر بہت سے احباب کو شکوہ آمیز حیرت اور اہلِ علم اور اربابِ دین کی بہت بڑی اکثریت نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ہے۔ اور ہر لحاظ سے بے مایہ اور کم سواد ہونے کے باوجود بزرگوں کی نسبت اور ایک دینی و علمی ادارہ کے ادنیٰ خادم ہونے کے حوالہ سے بے پناہ توقعات اور امیدوں کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ ایسے پیغامات خطوط اور مراسلات جن کا لامحدود سلسلہ تاحال جاری ہے کو دیکھ کر ناچیز اپنے اس احساسِ مسئولیت میں دب کر رہ جاتا ہے۔ جسے میں کونسل کی تشکیل کے اعلان کے پہلے ہی دن سے شدت سے محسوس کرتا رہا ہوں۔ میرے نزدیک ایسے حالات میں یہ ذمہ داری مبارکباد اور خوشی سے بڑھ کر آزمائش اور ابتلاء کا مقام ہے جس سے سرخرو ہونے کیلئے ہر دم اور ہر لحظہ مجھے مخلص احباب اور دینی درد سے سرشار مسلمانوں کی دلی دعاؤں، مخلصانہ مشوروں اور بے لاگ تنقید سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ جو میرے لئے اس نازک صورتحال میں بہت بڑا سہارا ہیں۔

جہاں تک مجلسِ شوریٰ کی عدم افادیت یا غیر جمہوری حیثیت کا مسئلہ ہے۔ اور مغربی سیاست و جمہوریت کا جو تصور ہمارے ہاں ایک طاعون کی طرح پورے ماحول پر چھا چکا ہے۔ اس کے جواب میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں صرف اہلِ علم اور علماء کے نکتہ نظر سے (کہ ناچیز کو بھی اہلیت نہ ہونے کے باوجود اسی زمرہ میں گنا جاتا) چند اشارات پر اکتفاء کرتے ہوئے اتنی گذارش ہے کہ علماءِ حق اور دینِ اسلام کے غلبہ و نفاذ کے درد سے سرشار افراد کی سیاست برائے سیاست نہیں ہوتی نہ ان کا مطمعِ نظر یورپ کی مروجہ لادینی جمہوریت ہے بلکہ سارے مساعی اور کوششوں کا محور و مقصود کلمۃ اللہ کی سربلندی اور کتاب و سنت کی ہر شعبۂ زندگی میں بالادستی ہے۔

اسی کیلئے مرنا اور اسی کیلئے جینا مقصودِ حیات اور فریضۂ منصبی ہوتا ہے ؎

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست

ہر جا کہ کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

اس مقصد تک پہنچنے کے لئے حالات، ماحول، وسائل، منصوبوں، تدابیر کا ہر لحظہ جائزہ اور ہر لمحہ مستقبل کی منصوبہ بندی کے ساتھ طرزِ عمل اختیار کرنا ایمان و یقین اور عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ کو نسا راستہ طویل ترین ہے!

اور کونسا مختصر کس طریق کار میں رکاوٹیں زیادہ اور کس لائحہ عمل میں کم ہو سکتی ہیں۔ کونسا طریق اقرب الی الحق ہے۔ اور کونسا محض سیاسی گروہ بندی، تعصبات یا مخالفت برائے مخالفت کی وجہ سے منزل سے دور کرنے والا۔؟

اس وقت لادینی عناصر اور جماعتوں کی طرح بعض دین دار جماعتوں اور غلبۂ اسلام کے لئے سرگرم عمل افراد کا بھی ایک ہی نعرہ ہے کہ مروجہ مغربی جمہوریت کے ذریعہ انتخابات اور اسمبلی میں پہنچ کر اسلام کے نفاذ کے لئے جدوجہد مگر کیا واقعاتی دنیا میں یہ راستہ ہمیں لیلائے مقصود اسلامی نظام سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ وہ جمہوریت جو محض اکثریت کو قانون سازی اور حاکمیت کا واحد حقدار سمجھتی ہے۔ اہل علم اور دیندار کبھی انتخابات کے ذریعہ وہ واضح اکثریت حاصل کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے معاشرہ کا عمومی جائزہ، عامۃ الناس کے کردار اور اپنی وابستگیوں سے صرف نظر کر دینا انتہائی بے بصیرتی ہے۔ میری نہایت محتاط رائے ہے کہ اگلے سو سال میں بھی ہم لوگ مروجہ انتخابات کے ذریعہ اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم لادینی جماعتوں سے لاکھ اتحاد کریں انتخابات ہوتے ہی یہ اتحاد دین اور لادینیت بالفاظ دیگر کفر و الحاد اور اسلام و شریعت کے دو متحارب کیمپوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ دو چار علماء منتخب ہو بھی جائیں تو اسمبلی میں ان کا مصرف صرف وعظ و تبلیغ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بہت سے احباب نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ کہ موجودہ مجلسِ شوریٰ تو قانون سازی کے سلسلہ میں بے بس ہے۔ پھر اسکی افادیت کیا۔؟ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مروجہ جمہوری طریقوں سے قانون ساز اسمبلی تشکیل پا جائے گی۔ اس میں چند گنے چنے علماء ارکان کے ہاتھ میں کونسی قانون سازی آجائے گی، وہ تو پھر بھی لادینی اکثریت کے ہاتھ ہی میں ہو گی۔ وہ تو آئیندہ بھی سود، زنا اور فحاشی جیسے صریح منکرات کے بارہ میں آپ کی قرار دادوں کو ایک خندۂ استہزا کے ساتھ مسترد کرتی رہے گی دینی اقدار کا مذاق اڑائے گی اور آپ کو کوٹھے پر جاکر رقص و سرود کے ذریعہ روحانی جلاء حاصل کرنے کی تلقین کرے گی اس مادر پدر آزاد جمہوریت میں قانون سازی کا حق ہو گا بھی تو اوروں کو علماء حق کو نہیں پھر ہمیں دشمن کے ہاتھ قانون سازی کی تلوار تھما دینے کی اتنی بے چینی کیوں ہے۔ جبکہ موجودہ مجلس شوریٰ میں ایسا کوئی لادینی اختیار اسکی اکثریت دین کے خلاف استعمال نہیں کر سکتی۔ پھر جس اسمبلی کو ہم جمہوری کہیں گے، کیا اس کے جماعتی ارکان اپنی جماعتی وابستگیوں، منشور، ایڈوائس اور پارٹی کی ہدایات سے آزاد ہوں گے، ہرگز نہیں جبکہ وہاں ہر رکن کے ایمان و ضمیر پر جماعتی مسلطائیت کے تالے لگے ہوتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی مومن ہو اسے سوشلزم یا مغربی اباحیت کے شرمناک اقدامات کے حق میں ووٹ دینا پڑتا ہے (جسکی مثال پچھلی عوامی اسمبلی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔) سوال یہ ہے کہ عام سیاستدانوں کو ایسے اسمبلی سے فائدہ ہو یا نہ ہو؟ ہم لوگ جن کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہے۔ اور جن کا مقصود و مطلوب اس سارے جہد و جہاد کا غلبہ اسلام ہے ہمارے لئے وہ راستہ اختیار کرنا طویل ترین ہے یا موجودہ شورائی نظام جس کے ارکان جماعتی بندھنوں سے آزاد ہیں جنہیں اقتدار کی طرف سے لادینیت کی نہیں دینی حالات اور فضا پیدا کرنے اور اسلامی نظام کی طرف پیش رفت پر مبنی مشوروں کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور جن کو اہل علم ارکان کی دلائل پر مبنی مخلصانہ رہنمائی دینی امور پر متفق بھی کر سکتی ہے جس کا مظاہرہ

اسلامی نظام کے بارہ میں منظور شدہ متفقہ حالیہ قرارداد کی صورت میں ہوا اور جس کے دینی معیار پر پورے نہ اترنے والے ارکان بھی۔ الناس علی دین ملوکھم کے تحت اوروں سے بڑھ چڑھ کر اسلامی نظام سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں۔

چلئے فرض کیجئے موجودہ مجلس شوریٰ بالکل ناقابل برداشت اور غیر اسلامی ادارہ ہے تو طبقۂ علماء اور دینی جماعتیں جو داخلی اور بیرونی حالات کے اس پرخطر گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہیں۔ آخر ان کی ڈیوٹی کیا رہ جاتی ہے کیا یہی کہ وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں یا بدقسمتی سے جماعتی جوڑ توڑ، خلفشار اور روز افزوں بعد افتراق کا تماشہ دیکھتے رہیں۔ اور اسلام کیلئے جو رہا سہا میدان میسر آتا ہے جہاں آپ حق کی صدا بلند کر سکتے ہیں اور اگر جماعت کی آستینیں بتوں سے لبریز ہیں تو اس وجہ سے آپ لاالٰہ الااللہ کی اذان دینے سے بھی بائیکاٹ کر دیں کہ ہمیں تو بائیکاٹ ہی کرنا ہے۔ یا اس دن کے انتظار میں ہوں گے کہ کوئی ایسا ایوان ظہور مہدی کے بعد تشکیل پائے گا جسکی سو فیصدی اکثریت صلحاء، علماء اور متقین کی ہو گی تب ہم اپنے فرض منصبی کیلئے میدان میں اتریں گے جب کہ ایسے ایوان میں جانے کی ضرورت ہی پھر کیا رہے گی؟ یا پھر اس وقت تک ہماری ساری تگ و دو ان طاقتوں کی ہمنوائی یا انہیں نئی زندگی بخشنے تک محدود رہے گی جن سے ایک طویل اور مثالی جہاد کے بعد ہم نے گلو خلاصی حاصل کی اور جو اپنے دور میں شر و بدی ظلم و عدوان کفر و الحاد اور گناہ کی "سمبل" بن چکی تھیں اور جو آئندہ بھی خیر و بھلائی حق و صداقت دین اور اقدار دین کی اسی طرح دشمن ہی رہیں گی جیسے وہ روز اول سے تھیں اور جن کے دبنے کی وجہ سے اور کچھ بھی نہ ہوا تو ننگا ناچنے والا ابلیس پس پردہ چلا گیا اور بدی کی طاقتیں مغلوب ہو کر رہ گئیں ہیں۔ ایسی طاقتیں جب علماء حق اور اہل حق کے کاندھوں پر سوار ہو کر ایک بار پھر اوج اقتدار تک رسائی پائیں گی، ان کا اوّلین نشانۂ انتقام جو لوگ ہوں گے اس کا اندازہ معمولی بصیرت سے لگایا جا سکتا ہے۔

بہرحال بات مجلس شوریٰ کی ہو رہی تھی۔ اب جبکہ صحیح یا غلط یہ ادارہ تشکیل پا چکا ہے۔ اور اس کے نامزد ارکان نے ایک بڑے چیلنج کو دین و ملک کی خاطر قبول کر لیا ہے۔ تو اس ادارہ کی ذمہ داری عنداللہ نہایت نازک ترین ہے۔ ان کے تمام ارکان کا بالعموم اور اہل علم علماء ارکان کا اوّلین فریضہ ہے کہ وہ ہر طرح کے گروہی تعصبات ذاتی نظریات مادی مفادات اور سیاسی مقاصد کو قطعاً بالائے طاق رکھ کر اور بلا خوف لومۃ لائم حق کہیں اور حق کے لئے لڑیں۔ مخلصانہ جذبہ اور للہیت پر مبنی حکمت عملی کو ملحوظ نظر رکھیں۔ پہلے بھی اسمبلیوں میں ہمارے مٹھی بھر اکابر کے ہاتھ میں تلوار تھی نہ ان کی اکثریت مگر خالص کلمۃ اللہ کی سربلندی اور فریضۂ اعلاء حق کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور اس میدان سے سرخرو ہو کر نکلے اب بھی خدائے کریم (جو دلوں کے بھید جانتا ہے) یہی توقع ہے کہ وہ اپنی توفیق سے دستگیری کرے گا۔ اور حق و صداقت کے امور میں پردۂ غیب سے ہر دم اور ہر لحظہ پورے ایوان (مجلس شوریٰ) کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

ازافادات مولانا سمیع الحق صاحب

شمائل نبویؐ کی ایک حسین اور جامع تصویر

نجی اور عوامی زندگی — نظام الاوقات — سیرت و سنّت کی حفاظت
کامیاب ترین انسان بننے کا لیگل فریم ورک

درس حدیث ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء

۲۷ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء دارالعلوم میں اعلیٰ سرکاری افسران کا ایک تربیتی کورس ہوا مولانا سمیع الحق صاحب نے ان لوگوں کی مناسبت سے حضور اقدسؐ کے بارہ میں شمائل ترمذی کی ایک جامع اور مؤثر ترین حدیث کا درس اس جماعت کو دیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اس درس کو احقر نے ٹیپ ریکارڈ سے من وعن ضبط کیا اور اب قارئین کی نظر ہے ——— محمد ابراہیم فانی

(خطبہ) قرآن کریم الف لام سے والناس تک حضورؐ کے مکارم اخلاق کا بیان ہے۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور اقدسؐ کی بعثت ہے دوسری نعمت یہ کہ اللہ نے ختم نبوت کے ذریعہ انسانوں کو قیامت تک ایک ایک نقطہ پر جمع کردیا کہ نہ نئے نئے مذہب پیدا ہوں نہ گروہ بندیاں اور جماعتیں بنیں۔ سارے انسان اس ایک ذات کی شخصیت پر جمع ہوں۔

اب ختم نبوت کے لئے ضروری تھا کہ ایک تو حضور اقدسؐ کی زندگی ایسی مثالی ہو جو قیامت تک ہر دور کے لئے اسوہ ہو سکے، اور نمونہ بن سکے۔ نئے نئے انکشافات اور اکتشافات اور نئے ترقیات، یہ سب کچھ حضور اقدسؐ کے زمانہ ہی میں ہونا تھا جو قیامت تک ہے۔ قیامت تک معلوم نہیں کہ کیا کیا فلسفے کیا کیا نظریات اور کیا کیا ترقیات ظاہر ہوں تو حضورؐ کی تعلیمات اور سیرت و شخصیت ایسے ہر دور کے لئے نمونہ ہونی چاہئے۔ کہ ہر زمانہ اس کو اپنا پیشوا بنا سکے۔ اس لئے شخصیت تو ہر لحاظ سے جامع عطا فرمائی۔ پھر اس سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی تھی کہ حضور اقدسؐ کی تعلیمات اور شخصیت کو محفوظ کرا دیا جائے۔ تو یہ شرف بھی صرف حضور اقدسؐ کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحے کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ جب آپ دیگر انبیاء کرام، بڑے بڑے ریفارمر اور مصلحین کے ساتھ موازنہ کریں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ نے اس امت کے لئے کتنا بڑا انتظام فرمایا ہے۔

گوتم بدھ کا ایک دور گذرا ہے اور اتنا بڑا دور کہ پورے ایشیا اور مشرق بعید پر وہ پھیلا ہوا تھا۔ کابل کی دور دراز پہاڑیوں، سوات کی بلند و بالا دشوار گذار چوٹیوں میں جا کر دیکھیں کہ ان کے پیروؤں نے پہاڑ تراش تراش کر ان کے بت بنائے۔ اس کی تہذیب و تمدن کے نشانات آج بھی مشرق بعید، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، سنگاپور اور چین میں موجود ہیں۔ جاپان اس کے زیر اثر رہا۔ کتنی بڑی شخصیت ہوگی؟ اور کیسا بڑا انقلابی رہنما ہوگا؟ مگر بدھ مت والوں کے پاس گوتم بدھ کے بارے میں بنیادی ضروری معلومات بھی نہیں۔ تعلیمات، ارشادات اقوال اور ساری شخصیت تو بڑی بات ہے۔ وہ یہ بھی متفقہ طے نہ کر سکے کہ وہ پیدا کہاں ہوئے۔ ان کی تعلیم کیا تھی؟ اور کہاں کہاں پائی؟ ان کے صحابہ کون تھے؟ کہاں کہاں ان کی زندگی گذری، کوئی چیز قطعی اور واضح نہیں۔ قیاسات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ ہمارے ایک محقق بزرگ نے ذوالکفل کو گوتم کا مصداق کہا۔ کہ کپل ہمالیہ کے دامن میں ایک گاؤں ہے عربی میں پ کو ف سے بدل دیا جاتا ہے تو ذوالکفل یعنی "کپل والا" الغرض یہ سب اندازے ہیں اٹکل پچو کہتے ہیں جیسے

یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ عیسائیوں کے پاس ان کی زندگی کے بارہ میں قطعی معلومات نہیں ہیں۔ کہ ساری زندگی اور تعلیمات کے بارہ میں مستند معلومات موجود ہوں۔ نہ کوئی ایسی کتاب قطعی مستند موجود ہے۔ کہ وہ ہی ان پر نازل ہوئی۔ اس وقت ان کی انجیلوں کا بڑا غلغلہ ہے۔ اور "اناجیل اربعہ" کو بنیادی چیز سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کا بھی ایسا ہی حال ہے جیسے ہمارے طلبہ درس میں استاد کی تقریر کا نوٹس لیتا ہے۔ املائی تقریر نوٹ کرتا جاتا ہے تو بعض واعظین اور مسیحی پادریوں نے اپنی اپنی کاپیاں مرتب کیں۔ ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہی حضرت مسیح کی انجیل ہے۔ چلتے چلتے یہ انجیلیں اتنی بڑھ گئیں کہ سینکڑوں تک تعداد پہنچ گئی۔ اور کوئی سند کوئی روایت کوئی تاریخی حیثیت ان کی بالکل نہ تھی۔ جیسے ہمارے ہاں پشتو اور پنجابی وغیرہ میں نور نامہ، جنگ نامہ قسم کی چیزیں عوام میں رائج ہیں۔ کہ اکثر لکھنے والوں کا نام بھی معلوم نہیں۔ تو خود عیسائی انجیلوں کی اس کثرت سے پریشان ہو گئے۔ کہ ہمارے پاس حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا کوئی متفقہ نسخہ ہونا چاہئے۔ ان سینکڑوں انجیلوں سے ہم کیسے حق کو تلاش کر سکیں گے؟ اور کیسے ہدایت پا سکیں گے؟ ان اناجیل اربعہ کا انتخاب کیسے ہوا۔ آپ تاریخ کے واضح اور مستند حوالوں سے اس کی تفصیل پڑھ کر سر پکڑ لیں گے؟ پھر آپ اپنے دین اور رسول کی سیرت کا اس سے موازنہ کر سکیں گے۔ کہ ہمارے دین کی سند اور استنادی حیثیت کے لئے ہمارے صحابہ اور تابعین وغیرہ اکابر نے کیا کچھ کیا۔ اور اس میدان میں اوروں کا کیا حال ہے تو لکھا ہے کہ قسطنطین اعظم نے ایک کونسل بنائی تھی مشرقی روم میں اس کے تین سو ممبر تھے۔ اس مذہبی کونسل میں بڑے بڑے پادری اور مذہبی رہنما شام اور الجزائر تک کے شامل تھے۔

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر رفع کے ۳۲۵ سال بعد اس کونسل کا اجلاس ہوا کہ انجیلوں کی چھانٹی کی جائے اس کے بارہ میں ہر طریقہ اور تجویز زیر بحث آئی مگر بے سود۔ بالآخر غلط اور صحیح انتخاب کے لئے یہ طے پایا کہ تمام مروجہ اناجیل ایک بڑی میز ایک تپائی پر رکھ دئے جائیں۔ اس طرح ایک ڈھیر لگا دیا گیا۔ کہ ہر ایک نے اپنا اپنا نسخہ لا کر اس پر رکھا۔ یہ تین سو پادری میز کے ارد گرد سجدہ میں گر پڑے۔ اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ گڑ گڑا کر کہنے لگے کہ جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔ جو جھوٹی ہے سو گر جائے جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔ یہ گویا منتر پڑھنا شروع کیا پھر وہ میز ہلانے لگے تو اس سے باقی سارے اناجیل گر گئے اور موجودہ چار انجیل میز پر رہ گئے۔ یہ ہے ان انجیلوں کی استنادی اور تاریخی حیثیت پھر یہ لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں ہمارے دین پر۔ ہماری روایات پر کہ جنتر منتر اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ تو اپنی آسمانی کتاب منتخب کی۔ پھر یہ بھی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس وقت کونسل کے ان تین سو پادریوں میں سے ایک دو کا انتقال ہو گیا تھا۔ تو اناجیل پر سب کا اتفاق کرانے کے خیال سے یہ چاروں انجیل ان پادریوں کی قبر پہ جا کر رات کو رکھ دئے گئے۔ اور دعا کرتے رہے کہ یا اللہ ان کی بھی تائید حاصل ہو جائے۔ لکھا ہے کہ صبح دیکھا تو ان کتابوں پر ان کے دستخط ثبت تھے۔ یہ ہے ان کی مذہبی اثاثہ کی حالت جو نہ عقل میں آنے والی چیز اور

نہ سمجھ میں یہ سارا ڈرامہ مشرقی روم کے نیقیہ نامی مقام پر ہوا جسے فیلس بھی کہتے ہیں۔

یہی حال ہندو مذہب کا ہے کہ ان کے مذہبی راہ نما کون تھے؟ کہاں سے یہ مذہب چلا؟ کیا اصول تھے اور کون بانی تھے؟ عجیب بے سروپا داستانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کہیں آسمانوں اور بادلوں سے کوئی نمودار ہوتا ہے کہیں غاروں میں اور کہیں سانپ کے منہ میں مذہبی تعلیمات اور صحیفوں کا کوئی ورق آپ کو مل جائے گا۔ کبھی سمندروں سے کوئی دیوتا نمودار ہو کر گرجے اور برسے گا۔ یہ ہے ہندومت کی روایتی حیثیت۔

پھر ان سب کے مقابلہ میں اپنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھئے کہ پیدائش سے وفات تک ہر لمحہ محفوظ ہے اگر تاریخ وار اور سن وار اسے کوئی مرتب کرنا چاہے تو ان ۶۳ سالوں کی پوری زندگی اور گویا متحرک فلم آپ کو مل سکتی ہے۔ ہر ہر صحابی اپنے اندر حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کو جذب کرتا تھا۔ ساری عادات، حرکات و سکنات تمام اقوال جو جو لفظ بھی ان کی زبان مبارک سے نکلتا سارے کا سارا صحابہ کرام اسے محفوظ کر لیتے۔

میں کبھی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر صحابی کو گویا حضورؐ کا ٹیپ ریکارڈ بنا دیا تھا۔ ان کو اللہ نے حافظہ بھی ایسا دیا، قوتِ جذب اور طلب و جستجو اور ولولہ بھی ایسا دیا کہ یہ سب کچھ محفوظ کیا جا سکے۔ پھر جب اللہ تبارک تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ:۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃ۔ کہ حضورؐ کی ذات تمہارے لئے ایک بہترین آئیڈیل ہے سچا شاندار اور صحیح نمونہ تو اس آئیڈیل کو اللہ نے قائم بھی رکھنا تھا۔ ورنہ آج ہم چودہ سو سال بعد کہہ سکتے تھے کہ یا اللہ وہ نمونہ کیسا تھا؟ کہ ہم اس پر چلیں ہم کہہ سکتے کہ وہ نمونہ کتنا اعلیٰ کیوں نہ تھا۔ مگر اب تو ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں۔ تو اتمام حجت تو اللہ کی طرف سے نہ ہو سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں یہ اتمام حجت بھی کرا دوں گا کہ کوئی چیز ان کی تم سے مس نہ ہو گی تو حضور اقدسؐ کے الفاظ و اقوال اور احادیث کے بارہ میں ایک مستقل علم پیدا ہوا۔ ایک عظیم الشان علم، کہ اس علم کی تشریح و تفصیل، تحصیل و تائید کے لئے مزید بے شمار علوم پیدا ہوتے گئے کہ اس علم حدیث کے معاون علوم ہیں ان میں سے ایک علم اسماء الرجال ہے یعنی حدیث و سیرت کا جو بھی کوئی راوی ہے صحابہ کرام میں یا تابعین یا تبع تابعین یا بعد کے روات بلکہ حدیث کی اس کتاب ترمذی کے مصنف و مرتب تک جو بھی اسناد ہیں۔ اور سند میں اشخاص ہیں اور جتنے بھی اساتذہ ہیں تو اسلامی تاریخ کے اس علم اسماء الرجال میں ان تمام راویوں کے حالات زندگی بھی منضبط و محفوظ ہیں۔ تو صرف حضورؐ کی زندگی نہیں بلکہ جو بھی ذرا سے اس زندگی کے کسی ایک ذرہ سے ٹچ ہوا تو اس کی زندگی بھی محفوظ کر دی گئی۔ کسی صحابی، کسی راوی سے اگر ایک بھی حدیث روایت ہوئی تو اس کی بھی ساری زندگی کریدی گئی۔ ٹٹولی گئی۔ اور کھنگالی گئی۔ کہ اس نے تعلیم کہاں اور کن لوگوں سے حاصل کی۔ کہاں کہاں علم کے لئے سفر کیا۔ کن کن مدارس میں رہے۔ حافظہ کیسا تھا۔ تقویٰ کا کیا حال تھا۔ عدالت میں کیا مقام تھا ان سب چیزوں کو ریکارڈ کیا گیا اس سے علم بنا۔ اسماء الرجال کا۔ تو اسلام کے بڑے بڑے مخالف یہود و نصاریٰ

اور انگریزوں نے بھی اعتراف کیا جو دشمن بھی ہیں اسلام سے انہیں عناد بھی ہے اسلام اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ۔ مگر وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا، امت مسلمہ کا ایسا محیر العقول کارنامہ ہے کہ کوئی اور امت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی یہ لارڈ اسپرنگر ایک سکالر ہے، مصنف ہے۔ پھر بہت بد باطن اور عنادی شخص بھی ہے اسلام کے بارہ میں۔ اس نے لائف آف محمد کتاب لکھی جو شاید حضور کے بارہ انگریزی میں پہلی کتاب ہے۔ اور کتاب بھی عناد سے بھری ہوئی ہے اسی اسپرنگر نے علم اسماء الرجال میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابۃ کو ایڈیٹ کیا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں جو اس نے لکھا ہے۔ اسپرنگر نے واضح اعتراف کیا ہے کہ یہ صرف اس امت کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر کوئی امت پیش نہیں کر سکتی۔ کہ اپنے نبی کی تعلیمات کو بیان کرنے والوں کے بھی حالات محفوظ و مرتب کئے۔ اور تقریباً ۵ لاکھ افراد کے سوانح مرتب کئے۔ اسپرنگر کے خیال میں تقریباً ۵ لاکھ رواۃ و اشخاص کے حالات محفوظ ہیں۔ ہمارے اپنے زمانہ میں تحریکیں چلتی ہیں۔ چھوٹی بڑی باتیں حوادث انقلابات علاقوں میں اٹھتے ہیں۔ انقلابی پیدا ہوتے ہیں۔ سماجی رہنما اٹھتے ہیں۔ مگر ہمیں اس تحریک کے ارکان زعما، ان کے تلامذہ رفقا کے حالات معلوم نہیں ہوتے نہ مرتب کر سکتے ہیں۔ اور وہاں جو ذرا بھی تسامح ہوا حضور اقدس ﷺ سے اور کوئی ایک جملہ بھی حضور کا روایت کیا تو اس کی پوری زندگی کی کتاب کھول کر رکھ دی گئی۔ ایک راوی کی ایک روایت ایک دفعہ رد کر دی گئی تو اگر صحیح بھی ہو مگر یہ راوی اس لئے ثقہ نہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ گھوڑے کو اپنا دامن اور جھولی پھیلا کر بلایا گویا کہ اس میں جو اور اناج ہے اسے کھالو۔ اور حقیقت میں دامن خالی تھا۔ تو علما نقد و جرح نے کہا کہ راوی اگرچہ اچھا خاصا عالم ہے، محدث ہے دیندار ہے مگر اس کی روایت اس لئے مقبول نہیں کہ جب اس نے اس طرح اشارہ کر کے گھوڑے کو ایک گونہ دھوکا دیا تو یہ ایک دھوکے کی صورت ہوئی۔ جب کہ حدیث کی روایت کرنے والوں کو ایسا بھی نہیں کرنا چاہئے۔ کہیں وہ آگے چل کر ہمارے ساتھ روایت حدیث میں کوئی ایسی صورت اختیار نہ کر بیٹھے۔ انتہائی احتیاط کا یہ عالم ہے۔

تو یہ جو منکرین حدیث ہیں ان کو تو یہ صورت حال معلوم نہیں کہ کن کن مراحل سے یہ احادیث گذریں۔ الغرض یہ پانچ لاکھ رواۃ بقول اسپرنگر کے جب کہ ایک محتاط اندازہ ہے۔ اور وہ تو تعداد کم کرنا چاہتا ہوگا۔ ورنہ ایک اندازہ ہے کہ دس لاکھ رواۃ کے حالات اس علم میں منضبط ہیں۔

یہ الاصابۃ یہ تہذیب التہذیب یہ تقریب التہذیب جیسی ضخیم کئی کئی جلدوں کی کتابیں اسی علم کی ہیں۔ حضور کے زمانہ میں ایک لاکھ کے لگ بھگ صحابہ حجۃ الوداع میں جمع تھے۔ تو علامہ سید سلیمان ندوی نے کہیں لکھا ہے کہ ان میں سے گیارہ ہزار صحابہ کے حالات دستیاب ہیں۔ اگر کسی ایک سے ایک بھی حدیث کہیں نقل ہوئی ہے تو ان کے حالات معلوم کر کے محفوظ کر دئے گئے۔

تو بہر حال حضور کی سیرت کے بارہ میں ان لوگوں نے پوری محنت فرمائی۔ سب کچھ سامنے رکھ کر احادیث کو محفوظ کیا

پھر دلائل النبوت یعنی حضورؐ کی حقانیت رسالت پر مستقل علم قائم ہوا۔ اس کتاب شمائل ترمذی کا تعلق علوم حدیث کے ایک خاص شعبہ سے ہے۔ اس کو علم الشمائل کہا جاتا ہے۔ شمائل یعنی حضورؐ کے خصائل و عادات اخلاق و کمالات اور خاص طور سے حضور اقدسؐ کی شکل و شباہت کیسی تھی، رنگ کیسا تھا؟ بال کیسے تھے۔ انگلیاں، ہتھیلیاں، قدموں کے تلوے۔ دانت، آنکھیں ابرو، سینہ، شانہ مبارک۔ بازو، سر اور گردن وغیرہ۔ الغرض حضورؐ کا ایک ایک خدوخال اس علم میں منضبط و محفوظ ہے۔ بیٹھتے اٹھتے کس طرح تھے؟ سونے کا انداز کیا تھا؟ رفتار کس طرح تھی۔ ایک ایک بات کے بارہ میں آپ کو مستقل باب ملیں گے۔ عجیب و غریب ایک متحرک فلم بھی ایسا نقشہ نہیں پیش کر سکتی۔ کتنے بال سفید تھے۔ پھر کتنے سفید ہوئے؟ آخر عمر میں کیا حالت تھی تو یہ علم الشمائل پہلی صدی سے منضبط اور مدون ہوا ہر دور میں کتابیں اور اس کے شروح و حواشی لکھی جاتی رہیں۔ تو ہمارے امام ترمذی نے بھی یہ کتاب شمائل ۲۷۹ھ میں لکھی۔ اس وقت سے اب تک یہ متواتر اور محفوظ اور متداول چلی آرہی ہے۔ بڑی اہمیت اس کو علماء نے دی اس کو اللہ نے خاص مقبولیت دی۔

تو حضورؐ کی صفات عالیہ کی ہر ہر ادا ہمارے سامنے ہے۔ کہ وہ اسوۂ حسنہ ہے اور اس طرح خود حضور اقدس نے بھی اشارہ فرمایا کہ میری چال ڈھال، ہر ہر ادا اور نقل و حرکت اور طور طریقہ تمہارے لئے نمونۂ عمل اور قابل اتباع ہے۔ اور اس بات کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کہ حضور اقدسؐ کسی راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے تو ایک صحابی عبید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر اٹھاؤ کہ اس سے ظاہری نجاست سے اور باطنی غرور و تکبر سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضورؐ تھے اور فرما رہے تھے ارفع ازارك اپنی لنگی ٹخنوں سے اوپر رکھو اس لئے کہ حضورؐ کو اس کا بھی اہتمام تھا۔ کہ ہمارے لباس، چال ڈھال میں تکبر اور غرور والی صورتیں نہ ہوں۔ یا اسراف ہو، فضول خرچی ہو، نظافت نہ ہو۔ اسی ضمن میں حضورؐ نے بڑی تاکید فرمائی کہ شلوار اور تہہ بند ٹخنوں سے اوپر رکھو۔

تو اس صحابیؓ نے حضور اقدسؐ کو جواب میں کہا۔ یارسول اللہ انما هي بردة ملحاء حضورؐ یہ تو ایک معمولی سی چدریا ہے۔ اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے؟ یا اس کی حفاظت کی کوئی اتنی ضرورت کیا ہے۔ جیسے زمیندار یا کاشتکار کام کاج کے وقت تہہ بند باندھتے ہیں۔ تو اس صحابی کا بھی مقصد یہ تھا کہ یہ میلا کچیلا اور بوسیدہ تہہ بند اگر ٹخنے سے نیچے بھی ہو جائے تو اس میں تکبر کی بات نہیں آئے گی۔ نیا ہو تو خراب ہو گا، پھٹ جائے گا۔ یہ تو ایک پھٹی چادر ہے دو پیسے کی چادر میں کیا تکبر کروں گا۔

دوسری توجیہ علماء نے یہ بھی کی ہے۔ کہ شاید کوئی قیمتی چادر تھی۔ جیسے آج کل اونی کمبل وغیرہ۔ نقش و نگار والے کمبل کو اگر آپ بیچ سے کاٹ دیں تو سارا کمبل خراب ہو جائے گا۔ نقشہ خراب ہو جائے گا۔ عرض لمبا ہے تو چھوٹا کرنا

مناسب نہیں۔ الغرض دونوں صورتوں میں حضورؐ نے جواب میں فرمایا:۔
کہ تمہارا عقل جو بھی کہے، تمہارا فلسفہ جو بھی کہے۔ اور تمہارے فیشن اور تہذیب کے جو بھی تقاضے
امالک فی اسوۃ
ہوں۔ لیکن کیا میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہوں۔ مجھے دیکھئے، اور باتیں چھوڑ دیجئے۔ چادر پرانی ہے یا قیمتی ہے؟
جب میری ذات نمونہ ہے تو اسی کو نمونہ بنائے رکھو۔ پھر حضورؐ نے سمجھایا کہ اسے اونچا رکھو۔ آدھی پنڈلی کھلی رہے
اور اگر طبیعت اتنی نہ مانے۔ فیشن پر مائل ہو۔ تو چلو قدرے اور نیچے رہے۔ مگر ٹخنوں سے تجاوز نہ کرے تو یہ
امالک فی اسوۃ سے معلوم ہوگیا۔ کہ حضورؐ نے زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں، کھانے پینے اور اوڑھنے میں بھی چاہا کہ میرا
نمونہ اختیار کیا جائے۔ اب یہ نمونے ہمارے سامنے اس علم (شمائل) میں موجود ہیں۔
بہر حال اس عظیم الشان ذخیرے میں یہ ایک حدیث مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر آپ کے سامنے رکھتا
ہوں۔ کہ جس میں حضورؐ کا ایک نظام الاوقات ہے۔ انضباطِ کار ہے۔ تو ہر مسلمان جس کو جو بھی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے
سپرد کی۔ اگر اس حدیث کو فریم کرا کر سامنے رکھے تو یہ ایک قسم زندگی کا لیگل فریم ورک ہے۔ اگر اسے سامنے رکھا گ
تو ایک کامیاب اور عظیم انسان کہلائے گا۔ اخلاق کا پیکر۔ کامیاب ترین سیاستدان کہلا سکے گا۔ ایک کامیاب اور باا
ایڈمنسٹریٹر بن سکے گا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ اللہ کے ساتھ کیسا تعلق، گھر کے ساتھ کیسا تعلق، مخلوق کے سا
کیسا تعلق، کیسا معاملہ رکھنا چاہئے۔ تو وقت کی کمی کے پیشِ نظر میں کوشش کروں گا کہ سرسری طور پر اس کا کچھ ترجمہ ا
تشریح ہو جائے۔

یہ ابوہالہ کی اولاد میں سے تھے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ
حدثنا۔ جمیع الغمن ولد ابی ہالہ زوج خدیجہ
کے پہلے شوہر اور خدیجہؓ کا اس امت پر بڑا احسان ہے کہ حضورؐ کو سہارا دیا۔ مال و دولت ساری خرچ کر دی۔ اللہ
نے قرآن میں اس کو سراہا۔ ابوہالہ کا بیٹا حضورؐ کا بھی سوتیلا بیٹا ہوا۔ کہ حضورؐ کے گھر تربیت پائی۔ وہ حضرت حسن ا
علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ قال سألت خالی ھند یہ ہند ابوہالہ کا بیٹا ہے۔ تو حضرت حسنؓ کے ماموں بنے
فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کی بیٹی حضور اقدسؐ سے ہے باقی اولاد ابوہالہ سے ہے۔ تو حضورؐ کا بھی بیٹا ہوا۔ تو حضرت حسن
کا سوتیلا ماموں۔ یعنی فاطمہؓ کا بھائی وکان وصافاً عن حلیۃ رسول اللہ کہ ہمارے ماموں حضورِ اقدسؐ کے
شکل و شباہت کی باریکیاں اور باریک سے باریک عادات و صفات بھی بیان کرتے تھے۔ گویا وہ اس علم شمائل کے
سپیشلسٹ تھے۔ وانا اشتھی ان یصف لی منھا شیئاً دوسری جگہ اس کے ساتھ ایک جملہ اور بھی ہے
اتعلق بہ کہ میرے نانا جان کی عادات و اخلاق کی تفصیل معلوم کروں اور یہ اس لئے کہ میں ان باتوں کو حجت
سند بناؤں۔ اس علم سے وابستہ ہو جاؤں۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ گویا ح
کا سوال بھی اور علم بھی، علم برائے علم نہیں بلکہ علم برائے عمل تھا۔

حضور اقدسؐ کے وصال کے وقت حسنؓ اور حسینؓ دونوں بھائی چھوٹے تھے۔ حسن کی عمر سات سال کی تھی اور حسین کی اس سے بھی کم۔ تو حضورؐ کے وصال کے بعد اجلّہ صحابہ کے پاس جا جا کر دونوں تفصیلات معلوم کیا کرتے تھے۔ اس میدان میں دونوں بھائیوں میں مسابقت رہتی تھی۔ جب کہ علم اور دین میں یہ مسابقت اور حرص محمود ہے تو ہر بھائی یہ چاہتا تھا کہ میرے پاس حضور اقدسؐ کے کچھ امتیازی معلومات ہوں۔ اور میں فسٹ آجاؤں۔ تو ایک عرصہ سے ایک نے دوسرے سے یہ حدیث چھپائے رکھی کہ دوسرے نمبر پہ لے جاؤں۔ الغرض حضرت ہند نے حضرت حسن کو یہ حدیث سنائی۔ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخما مفخما وہ اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور لوگوں کی نگاہ میں بھی عظیم تھے۔ ذاتی عظمت بھی تھی اور لوگوں کے اوپر بھی چھا جاتے تھے۔ ایسی عظمت و شوکت اور دبدبہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا یتلألأ وجهه تلألؤ القمر ليلة البدر جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے ایسا چہرۂ انور چمکتا تھا۔ اور اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضور کے ان محاسن میں کوئی مبالغہ آرائی یا شاعرانہ تخیلات نہیں ہیں۔ جہاں حضور کی کوئی تشبیہ آتی ہے وہ تشبیہ پوری نہیں بلکہ ادھوری ہے پھر اللہ نے پورے حسن و جمال کو ظاہر بھی نہیں کیا۔ کیونکہ پھر نگاہوں کو دیکھنے کی تاب نہ ہو سکتی۔ صحابہؓ انہی جلووں میں مدہوش ہو جاتے۔ تو تعلیمات کو کہاں ملحوظ رکھتے۔ تو درحقیقت ان تشبیہات سے بڑھ کر حضورؐ کا حسن و جمال تھا صحابہ موازنہ کرتے ہیں۔ رات کو چودھویں کے چاند کے ساتھ۔ کبھی چاند کو دیکھتے اور کبھی چہرۂ انور کو۔ تو پھر صحابہ حلفاً کہتے، کہ ہم فیصلہ نہ کر سکتے بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتے کہ حضور اقدسؐ چاند اور سورج سے بھی بڑھ کر حسین ہیں۔

فذکر الحدیث بطولہ۔ وہ تفصیلی حدیث دوسری جگہ نقل ہے۔

قال الحسن فكتمتها الحسين زمانا۔ میں نے وہ حدیث اپنے بھائی حسین سے ایک عرصے تک چھپائے رکھی کہ اچانک اسے ظاہر کروں گا۔ تو مجھے فضیلت اور اولیت حاصل ہو جائے گی۔ ثم حدثته فوجدته قد سبقني اليه۔ مگر مجھ سے صبر نہ ہو سکا کہ صحابہؓ علم کو چھپانے نہیں تھے۔ ایک دن یہ حدیث بیان ہی کر دی حسینؓ کے سامنے، کہ میرے پاس تو نانا جان کی یہ حدیث بھی ہے۔ حسین نے سن کر کہا۔ ارے بھائی تم کس گمان میں ہو۔ مجھے تو تم سے بھی پہلے یہ حدیث مبارک حاصل ہوئی۔ اور اس سے بڑھ کر مجھے اور بھی معلومات ہیں۔ ماموں جان ہند کے علاوہ میں نے تو اپنے ابا جان حضرت علیؓ سے بھی اس قسم کی باتیں پوچھی تھیں۔

فسألہ عما سألته عنه فوجدته قد سأل اباه عن مدخله وعن مخرجه وشكله کہ انہوں نے تو اپنے والد سے حضور کی داخلی زندگی (مدخل) گھریلو زندگی، بیوی بچوں کے ساتھ رہنا سہنا خلوت کی زندگی، نجی زندگی کیسی تھی۔ ومخرجه۔ خارجی زندگی عوامی زندگی سٹیج کی زندگی۔ جلوت کی زندگی وشکلہ شکل و صورت نہیں بلکہ شاکلہ سے ہے۔ تمام طور طریقے اس میں آگئے۔ فلم یدع منه شیئاً۔

حضرت حسینؓ نے کوئی بات پوچھنے سے نہیں چھوڑی تھی جو اسے محفوظ نہ ہو

قال الحسین فسألت ابی عن دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کی داخلی زندگی کے بارے میں پوچھا۔ باہر کی زندگی تو صحابہ کرامؓ کو معلوم ہی تھی مگر اندر کی زندگی کیسی تھی؟ فقال کان اذا آوی الی منزلہ جزء دخولہ ثلثۃ اجزاء جب حضورؐ گھر تشریف لاتے تو جتنا وقت گذارنا ہوتا۔ مثلاً چھ گھنٹے وقت ملا تو ان چھ گھنٹوں کو تین حصوں میں بانٹ لیتے۔ گویا ایک نظام الاوقات تھا۔ ہماری طرح بغیر پروگرام اور ڈسپلن کی زندگی نہ تھی۔ ہر چیز کا ٹائم ٹیبل تھا۔ تو حضورؐ گھر کے اس وقت کا بھی ٹائم ٹیبل بنا لیتے۔ جزءاً للہ عزوجل ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کر لیتے۔ کہ دو گھنٹے میں نے اللہ کی عبادت اور راز و نیاز میں گزارنے ہیں۔ اور جزءاً لاھلہ ایک حصہ اہل وعیال کے لئے۔ یہ نہیں کہ سارا وقت عبادت میں گذر جاتے۔ اور گھر والوں کی حق تلفی ہو وجزءاً لنفسہ تیسرا حصہ اپنی ضروریات اور راحت و آرام کے لئے رکھتے تھے۔ یہ نہیں کہ آرام ہی نہ کیا جائے۔ ہر چیز میں اعتدال ملحوظ تھا۔ یہ نہیں کہ تبتل اور رہبانیت پیدا ہو۔

ایک صحابیہ خاتون حضورؐ کے گھر حاضر تھیں کہ حضور اقدسؐ تشریف لاتے تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا کون خاتون ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ یہ فلاں ہے۔ اور ساری ساری رات عبادت میں گذارتی اور جاگتی ہے۔ گویا صحابہؓ کے ہاں تعارف بھی ان چیزوں (عبادت) سے ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ یہ فلاں نواب ہے۔ یہ فلاں جاگیردار ہے۔ یہ فلاں افسر ہے۔ یہ ڈی سی اور اے سی ہے۔ بلکہ اتنی نماز پڑھتا اور اتنے روزے رکھتا ہے، اتنا جہاد، یہ اعمال، یہ عبادات، یہ باتیں صحابہ کے تعارف اور انٹروڈکشن تھیں۔

تو فرمایا یہ بے چاری صبح تک جاگتی ہے اور پلک تک نہیں جھپکتی۔ بلکہ عبادت میں ہی مصروف رہتی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں ولزوجک علیک حقٌ ولعینک علیک حقٌ ولنفسک علیک حقٌ۔ بیوی کا بھی تم پہ حق ہے آنکھوں کا بھی تم پہ حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے جسم اور آنکھوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہر چیز اعتدال پہ رکھنی ہے۔ ورنہ رہبانیت ہو جائے گی جس کی بڑی سیاہ تاریخ ہے۔ اور جو بھی فطرت کے خلاف طریقے اختیار کئے جائیں جو فطرت کے ساتھ نہ چل سکیں تو ان کا ردعمل بھی آگے چل کر نہایت شدید ہوتا ہے۔ رہبانیت بھی آگے چل کر فحاشی اور بے حیائی کا عظیم ذریعہ بنا۔ یہ کلیسائی نظام یہ پاپائیت اسی کی ایک بھیانک شکل ہے۔ تو حضور اقدسؐ فرماتے ہیں۔ کہ میں تو سوتا بھی ہوں۔ میں تو کھاتا پیتا بھی ہوں میں تو بوقت ضرورت بازاروں میں بھی جاتا ہوں۔ میں تو شادیاں بھی کرتا ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کمال کی۔ کہ انسان زندگی سے فرار اختیار کرے اور غاروں میں جا کر بیٹھ جاتے۔ تبتل اور رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ کوئی اور بزرگ ہوتے تو آتے ہی گھر میں ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بیوی بچوں سے کہتے کہ جاؤ آرام کرو مجھے تو عبادت ہی سے فرصت نہیں

ساری رات میں نے عبادت میں گذارنی ہے۔ سارا وقت تبلیغ ہی کے لئے ہے۔ نہیں بلکہ حضور اقدسؐ نے اوقات بانٹ دیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے تاکہ بیوی بچوں سے پیار کی باتیں ہوں ان کی دلجوئی ہو۔ ان کی ضروریات وحوائج معلوم کی جائیں۔ گھر کے مسائل پر بات چیت کی جائے۔ اور انہیں نمٹا یا جائے وجزءً النفسہ یعنی ایک حصہ اپنے لئے مخصوص فرماتے۔ یعنی آرام۔ سونا اور قیلولہ۔ پھر اپنے اس حصہ میں حتی الوسع ایثار فرماتے اور کوشش کرتے کہ کچھ اوقات ولمحات اس سے بھی امت کی صلاح وفلاح کے کاموں میں صرف ہوں ثُمّ جزّء جزءہ بینہ وبین الناس فیرُدّ ذلك بالخاصۃ علی العامۃ۔ اس اپنے حصہ کو بھی دو حصوں پر اور باقی لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے۔ کہ خصوصی صحابہ اس وقت داخل ہوتے، ان خواص امت کے ذریعہ سے اس وقت کے علوم ومضامین اور مشوروں کا فائدہ عام امت تک پہنچ جاتا۔ حضورؐ کی تو ساری زندگی امت کے لئے تھی۔ زندگی بھر ایک عجیب گھٹن میں گذاردی کڑھتے تھے، اندر اندر سلگتے تھے امت کے غم میں، کہ کسی طرح اصلاح ہو جائے امت کی۔ نہ آرام نہ راحت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ خود ذکر کیا کہ لعلك باخعٌ نفسك کیا تم غم سے اپنا گلا گھونٹنا چاہتے ہو امت کی فکر میں ایسے کڑھتے ہو ایسا غم کرتے ہو کہ تمہیں تو جیسا پھندا لگ گیا ہو۔ جیسے کسی شدید غم کی وجہ سے گلے میں پھندا سا لگ جاتا ہے۔ نہ کچھ نگل سکتا ہے نہ بات چیت کہہ سکتا ہے۔ اور شدید غم کی وجہ سے بسا اوقات گھٹ کر آدمی مر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتنا غم کیوں کرتے ہو تم تو امت کا حق ادا کر رہے ہو تو اتنی فکر تھی حضورؐ کو امت کی اس لئے اپنے آرام کے اوقات بھی بانٹ لیا کرتے تھے کہ چلیے اس میں سے بھی کچھ وقت بنی نوع انسان کی بھلائی میں خرچ کردوں۔ خواص کے ذریعے عوام کو فائدہ پہنچا دیں۔

حضرت ابوبکرؓ آتے ہیں، حضرت خالدؓ ہیں، حضرت علیؓ ہیں۔ کسی فوجی مہم کے امیر ہیں اہم ذمہ داری والے کوئی صاحب ہیں۔ ضرورت ہوتی کہ وہ لوگ کسی مخصوص وقت میں مشورہ حاصل کرسکیں۔ تو ان میں سے ایک ایک کو بلاتے اس طرح ان سے جو بات ہوتی وہ کیا ہوتی؟ اسی امت کی صلاح وفلاح سے متعلق امور تو وہ وقت بھی اس طرح بٹ جاتا اور ان کے واسطے سے ساری امت کو پہنچ جاتا جو اب قیامت تک مستفید ہو رہی ہے ولا یدّخر عنھم شیئاً اور حضور اقدسؐ کوئی چیز امت سے اور لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتے تھے۔ یہ ایک باطل تصور ہے۔ بعض لوگوں اور فرقوں کے ہاں کہ ہمارے پاس مخصوص اسرار وعلوم ہیں ایسا ہرگز نہ تھا۔ حضورؐ کسی سے کوئی علم کی بات مخفی نہ رکھتے۔ علوم الٰہیہ علوم دینیہ سب عام ہوتے۔ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ بھی ہے کہ گھر میں جو کچھ بھی ہوتا کسی نہ کسی چیز سے ملاقاتیوں کی تواضع فرماتے۔ ادخار اور ذخیرہ اندوزی نہ فرماتے کہ یہ کل میرے کام آجائے گی بلکہ جو آیا حضورؐ نے تقسیم کردیا۔ خرچ کردیا میزبانی میں۔ وکان من سیرتہ فی جزء الامۃ ایثار اھل الفضل باذنہ وقسمہ علی قدر فضلھم فی الدین اس خاص وقت میں یا پھر عام وقت میں جو ملاقاتوں کا ہوتا

توسینکڑوں کا ہجوم ہوگا کھلے بندوں ہر شخص بات بھی نہیں کرنا چاہتا تو ملاقاتیوں کی ترتیب ملحوظ رکھنی ہوتی ہے تو حضور
اسے ملحوظ رکھتے ایک ایک کو بلانے میں یہ نہ تھا کہ جو پہلے آیا وہ پہلے ملا بلکہ ایثار اہل الفضل الخ جو فضیلت والے
تھے علم میں تقویٰ میں دین میں اور جو اسلام کی خدمات اور قربانیوں میں بڑھ کر ہے۔ اس کا مقام علمی لحاظ سے اونچا
ہے فضل کے معنی دنیاوی معیار نہ ہوتا۔ اہل فضل ہوتے اللہ والے، مخلوق کی بھلائی کے لحاظ سے۔ تو جس کا جتنا
اونچا مقام ان چیزوں میں ہوتا تھا پہلے ان کو ترجیح دیتے تھے بلاتے ہیں۔ وقسمہ علی قدر الخ پھر ملاقات
کا وقت بھی اسی مناسبت اور ہر مرتبہ کے لحاظ سے طے ہوتا۔ یہ نہیں کہ ہما و شما سب کو دو دو منٹ بلکہ جس کا
مقام اور فضل جتنا اونچا ہے اس کو وقت بھی زیادہ ملتا جو کم ہے تو کم وقت یا اس کے مسائل کم ہیں تو کم
اور زیادہ ہونے تو زیادہ وقت۔

کسی دینی مہم میں کوئی جاتا تو زیادہ وقت۔ کسی ذاتی مسئلہ میں آیا ہے تو منٹوں میں نمٹا لیا جاتا تو فضیلت
فی الدین اور ضروریات کے لحاظ سے وہ وقت تقسیم ہوتا فمنھم ذو الحاجۃ ومنھم ذو الحاجتین
ومنھم ذو الحوائج کسی کے پاس ایک فائل ہے کسی کے پاس دو فائل ہیں کوئی بہت سی حاجتیں لے کر
آیا ہے کوئی کم۔ اور امت کے سارے مسائل ضروریات اور حاجات کے مرجع آپؐ کی ذات تھی۔ تو وہ مسائل کے
پلندے لے کر آتے مگر حضورؐ کو کوئی ناگواری محسوس نہ ہوتی۔ نہ یہ کہ اس وقت صرف ایک درخواست پیش کرنی
ہے نہیں بلکہ سارے مسائل اور حاجات پیش کرنے کی اجازت ہوتی۔ فیتشاغل بھم و یشغلھم فیما
یصلحھم والامۃ پس حضورؐ پوری توجہ سے ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے۔ پھر ان کو ایسے کاموں میں
مشغول رکھتے کہ جن سے ان کا فائدہ ہو ان کی اصلاح ہوتی ہو اور ان کے ذریعہ سے آگے چل کر ساری امت کی بھی
اصلاح ہوتی۔ دنیاوی دھندوں، سیر و تفریح، فضول گپ شپ اور تعیشات میں صحابہؓ کو مصروف نہ ہونے دیتے
جیسے سربراہ مملکت باہر جایا کرتے ہیں وفد ساتھ ہوتا ہے تو اگر چند منٹ بھی ہوتے ہیں تو بڑے لوگوں کے ہاں لمٹ
LIMIT وقت ہوتا ہے تو صدر۔ صدر کے ساتھ مصروف مذاکرات ہو جاتا ہے۔ وزیر خارجہ، وزیر خارجہ کے ساتھ
اور ہر شعبہ کا سربراہ اپنے شعبوں سے متعلق افراد کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں کہ اس دورے سے زیادہ سے زیادہ
فائدہ اٹھایا جائے۔

تو حضورؐ کے پاس اتنا وقت تو نہ تھا کہ کوئی آیا تو گپ شپ اور لایعنی باتوں میں لگے رہیں بلکہ یک دم کام کی
باتیں شروع ہو جاتیں۔ ویامرھم بذلك اور ان کے لئے بھی یہی حکم تھا کہ جن چیزوں میں تمہارا فائدہ ہو انہی باتوں
میں لگے رہو۔ اور وہ باتیں کس قسم کی ہوا کرتی تھیں؟ من مسئلتھم عنہ واخبارھم بالذی ینبغی لھم
صحابہ کرامؓ دینی امور کے بارے میں حضورؐ سے سوالات کرتے اور حضورؐ ان کو ان طریقوں سے آگاہ کرتے جو ان کے لئے

مناسب ہوتے تھے۔ اور جن میں ان کی بھلائی ہوتی۔ و یقول لیبلّغ الشاھد منکم الغائب پھر یہ بھی تاکید فرماتے کہ جو کام کی باتیں تمہیں معلوم ہوئیں۔ مسائل کا جو حل معلوم ہوا، جو علم حاصل کیا یہ خبریں جن تک نہیں پہنچیں ان تک بھی پہنچاؤ۔ یہ علم اپنے ساتھ مخصوص نہ رکھو۔ شاہد یعنی جو حاضر ہیں۔ عالم ہیں وہ غائب تک پہنچا ئیں۔ اگر صحابہ کو یہ حکم نہ ہوتا اور اس پر عمل نہ کرتے تو یہ حدیث ہم تک نہ پہنچتی۔

پھر فرمایا و ابلغو فی حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا ملاقاتیوں کو یہ بھی تاکید فرماتے کہ جو بے چارے دور ہیں کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی ضروریات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے تو جب تم لوگ میرے پاس آیا کرو تو ایسے لوگوں کی ضروریات و مسائل مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ مثلاً کوئی دور ہے، بیمار ہے یا پردہ نشین ہے۔ کوئی ہیبت اور رعب کے مارے سامنے نہیں آسکتا تو ان کی ضروریات بھی مجھ تک پہنچا دیا کرو۔

ہمارے حکام تو ایسے آدمی کو ڈانٹ دیتے ہیں کہ تمہیں اوروں کی کیا پڑی ہے اپنی بات کرو۔ مگر حضورؐ ایک ایک کو فرماتے کہ جہاں جہاں کوئی محتاج ہو، مستحق ہو، مصیبت زدہ ہو۔ مسائل کا شکار ہو تو ان کے مسائل مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ اس لئے فانّہ من ابلغ سلطاناً حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا ثبت اللّٰہ قدمیہ یوم القیامۃ کسی نے اختیار والے کو پہنچا دیا۔ سلطان صرف بادشاہ کو نہیں کہتے ہر با اختیار سلطان ہے اگر ڈی سی ہے۔ اے سی ہے۔ گورنر ہے۔ اس کو اپنے دائرے میں سلطان کہیں گے مسلّط اور اختیار والا۔ اگر اس کو کسی نے کسی محتاج و غریب اور ضعیف کا مسئلہ پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھے گا۔ اس کے بدلے کہ اس نے ڈگمگانے والوں کو دنیا میں سہارا دیا۔ مشکلات کی دلدل سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھیں گے۔ یہ سفارش ہے مگر وہ سفارش نہیں جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں کا حق ہے لیکن اس کا حق مار کر اس کو دے دیں۔ باقی اگر ایک شخص مستحق ہے وہ وہاں پہنچا نہیں سکتا اپنا مسئلہ گورنر کے پاس۔ ڈی سی کے پاس۔ صدر کے پاس۔ اور آپ کسی کی حق تلفی اس سے نہیں کرنا چاہتے اور اس کی سفارش کریں۔ آپ کے چند جملوں سے اس کا کام ہو جائے تو اس کا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔ ہم تو سفارش کا معنیٰ یہ لیتے ہیں کہ فلاں مستحق ہے اس عہدے کے لئے مگر اس کو ہٹا دو اگرچہ وہ دیانتدار ہے۔ مگر دوسرے کو یہ منصب دے دو جب کہ اس کا حق اس کو دینا چاہئے۔ دیانت دار زیادہ وہ ہے وہ سب کچھ ہے لیکن تم کہتے ہو کہ اس کو دے دو۔ یہ سفارش جو ہے یہ مذموم ہے باقی یہ سفارش جو حضورؐ نے بیان فرمائی اس کی تو بڑی فضیلت خود حضورؐ نے فرمائی۔ ولا یذکر عندہ الا ذالک حضورؐ کی مجلس میں باتیں بھی صرف یہی ہوتی تھیں۔ دنیوی فضول باتیں نہیں۔ ضروری اور مفید باتیں تھیں۔ ولا یقبل من احد غیرہ اور میل جول رکھنے والوں میں سے اس کے علاوہ اور باتیں بھی پسند نہ کرتے تھے۔

دنیوی باتیں، جہاد کے امور۔ مملکت کے متعلق امور۔ ڈسپلن کے انتظامی امور سے متعلق یہ باتیں بھی گناہ نہیں یہ بھی عبادت ہے۔ لیکن بے ہودہ اور فضول باتیں بے مقصد نہ کریں۔ یدخلون روّادًا ہر ایک طالب بن کر آتا۔ کسی نہ کسی چیز کا طلب گار۔ کوئی مسائل لے کر آتا۔ کوئی دین سیکھنے کے لئے آتا۔ روّاد جمع ہے رائد کی رائد کہتے ہیں طلب کرنے والا ولا یفترقون الا عن ذواق حضورؐ سے الگ نہ ہوتے ان سے واپس نہ جاتے مگر کچھ نہ کچھ چکھا ہوتا۔ ذواق کہتے ہیں چکھنے کو۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ حضورؐ کے گھر میں ہر وقت فقر تھا، لیکن پھر بھی کسی نہ کسی چیز سے مہمان کی تواضع فرماتے۔ حضورؐ کی اتنی غیرت اور حمیت تھی اور مہمان داری کا یہ عالم کہ ٹھنڈا پانی اگر ہے اور ایک کھجور ہے کم از کم وہ چکھ لو۔ کوئی ملنے والا ان سے بغیر چکھے نہیں جا سکتا تھا۔ کہ گھر پہ آیا ہوا کوئی بھی مہمان ہو اسے اس طرح نہیں واپس کرنا چاہئے۔ ایک مطلب یہ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ اپنے دامن میں لے کر جاتے۔ وہ خالی دامن آتے اور دامن بھر بھر کرلے جاتے۔ اپنے اپنے ظرف اور اپنے اپنے دامن کی وسعت کی بات تھی۔ تو جو کوئی آتا بالکل محروم نہ جاتا کچھ نہ کچھ حصہ دین کا لے کر جاتا۔ علم اور دین کے فائدے لے کر جاتا۔ و یخرجون ادلۃ اور پھر جب وہ واپس جاتے تو ہر ایک، ایک عظیم رہنما ہوتا۔ دلیل دلالت علی الخیر کرنے والا ہر ایک روشنی کا مینار بن کر چلا جاتا۔ خیر اور رہنمائی، بھلائی کی باتیں بیان کرنے والا۔ قال فسألتہ عن مخرجہ پھر میں نے ان سے پوچھا حضور اقدسؐ کی عوامی زندگی کیسی تھی۔ جب باہر تشریف لاتے تھے، سٹیج پہ، جلسے میں، اجتماع میں کیف کان یصنع فیہ تو اس وقت حضورؐ کے کیا معمولات تھے قال کان رسول اللہ یخزن لسانہ الا فی ما یعنیہ اس نے کہا کہ حضورؐ باہر بھی اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے۔ سوائے ضروری باتوں کے ما یعنی ان باتوں کو کہتے ہیں جن سے کوئی دینی فائدہ ہو یا دنیوی فائدہ ہو۔ بامقصد باتوں میں تو زبان خرچ کرتے تھے اور لایعنی (بے مقصد بے کار) باتوں سے اجتناب کرتے تھے۔ زبان کو قیمتی خزانہ کی طرح رکھتے تھے۔ یخزن لسانہ زبان تو ایک قیمتی خزانہ ہے۔ اور اس کو ہم ایسے ہی لٹاتے ہیں۔ تو اس کو اگر ہم نے صحیح مصرف پر لگایا تو بہت عظیم چیز ہے اور غلط جگہ پر خرچ کیا تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان گپ شپ میں ایسی بات کہتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ اور جہنم کے آخری اور نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر لوگ زبان قینچی کی طرح چلاتے ہیں اور حصائد الالسنۃ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا بغیر سوچے سمجھے کسی کی آبرو ریزی کی۔ کسی کی غیبت کی۔ کسی پہ تہمت لگائی۔ کسی پہ الزامات تراشے تو حصد کہتے ہیں کھیت کاٹنے کو۔ اب گندم جس چیز سے ہم کاٹتے ہیں اسے ہم پشتو میں لور کہتے ہیں یعنی درانتی۔ تو یہ زبان درانتی ہے اور کیا کاٹتا ہے جتنی عبادات اس نے کی ہیں نمازیں، روزے، حج جو اخلاق، جو اعمال جو نیکیاں تھیں وہ کاٹ دیں اس درانتی نے۔ اس وجہ سے ہم کامیاب نہیں ہوتے جس طرح درانتی چلاتے ہیں اور سارے کٹے کرائے پر پانی پھیر

لیتے ہیں۔ تو یہاں حضور اقدسؐ کے بارے میں ارشاد ہے۔

کہ وہ بلا مقصد ایک جملہ بھی نہیں استعمال کرتے تھے ویؤلفہم حضورؐ ملنے والوں کو، اپنی رعایا کو اور اپنے زیر اثر لوگوں کو مانوس فرماتے۔ ولا ینفرھم ان کو اپنے سے متوحش اور متنفر نہیں کرتے تھے۔ ان کی تالیف قلب کا انتظام کرتے تھے۔ ان کو اپنے دل کے ساتھ لگاتے تھے۔ ان کو اپنے قریب لاتے تھے ایسا نہیں کہ کوئی آیا، ذرا نامناسب بات دیکھی تو اسے ڈانٹا اور دھمکایا کہ تو نے داڑھی کیوں مونڈھی ہے۔ فلاں عیب کیوں ہے۔ جیسے بعض حضرات کسی کو دیکھتے ہی شور مچاتے ہیں کہ سر کے بال ایسے کیوں رکھے ہیں۔ اور تم نے فلاں جرم کل کیا تھا۔ کل تم نے چوری کی تھی اور پھر بھری مجلس میں اسے رسوا کرتے ہیں تو حضور اقدسؐ بھری مجلس میں کسی پر تنقید نہیں کرتے تھے۔ مجسم حیا تھے اور عفت و مروت کا پیکر تھے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:۔

جیسے ڈولی میں دُلہن ہوتی ہے۔ جس حالت میں گھونگھٹ میں ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ حضورؐ کا حیا تھا باتیں کرنا رو در رو بڑی بات تھی۔ اتنا شرمیلا پن تھا۔ کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب نہیں ہوتے تھے، عموماً نیچے دیکھتے مجسم حیا تھے۔

ایک صحابی آئے ان کے کپڑوں پر حضورؐ نے کچھ رنگ و روغن دیکھا جو مناسب نہیں تھا مردانہ لباس کے ساتھ۔ مردانگی کے ساتھ کچھ ایسا رنگ یا لباس۔ جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضورؐ نے دوسروں سے کہا۔ تم لوگ اسے سمجھاتے کیوں نہیں تم اسے سمجھا دو تو بہتر ہوگا۔ یعنی خود رو در رو تنقید بھی گوارا نہ کرتے۔

اب اگر ایک مولوی صاحب ممبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وعظ میں سب کو ڈنڈے سے ہانک رہے ہیں۔ اور گالی گلوچ نکال رہے ہیں اس سے کیا فائدہ؟ ہر شخص میں خامیاں تو ہوتی ہیں مجلس میں بیٹھتے ہی اسے ملحد اور زندیق بنا دیا تو وہ دوسرے دن کیا آئے گا؟ ہرگز نہیں، جب کوئی ملاقاتی آپ کے پاس آیا اور آپ نے درشت لہجہ میں اور سختی سے اس سے بات چیت کی تو آئندہ وہ آپ کے پاس کیسے آئے گا۔ آپ کیسے اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں گے ــــ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

بشرّوا ولا تنفروا۔ لوگوں پر آسانی پیدا کرو۔ لوگوں پر تنگی نہ لاؤ۔ جو کامیاب مصلحین ہیں وہ تو جو بھی آتا ہے، گنہگار ان کو پتہ ہے کہ بدترین گنہگار اور مجرم ہے مگر وہ ان کو سینے سے لگاتے ہیں ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے ہیں وہ ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اور وہ کہتا ہے کہ بھئی تم تو بہت بڑے بزرگ ہو تم تو بہت بڑے ولی ہو۔ پاک ہو۔ تو وہ خود اپنے دل میں سوچنے لگتا ہے نادم ہوتا ہے اور کھنچ کر چلا آتا ہے۔ تو حضورؐ اقدسؐ کے پاس جو بھی آتا بڑے سے بڑا ملحد اور فاسق و فاجر وہ ایسا کھنچ کر آتا کہ پھر وہیں کا ہو جاتا

عوامی زندگی کا ایک پہلو سیاسی زندگی
یہ صرف تالیف قلب ہے ویکرم کریم کل قوم ویولیہ علیھم
ہوتی ہے۔ مخرجہ عوامی زندگی۔ توجس قوم کا جو معزز ہوتا تھا حضورؐ اسے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ ہمارا نظام
سیاسی اسی وجہ سے ابتر ہے۔ ہنگامے اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کسی قوم نے ایک شخص کو اپنا ملک بنایا۔ خان بنایا
سردار بنایا۔ اور سارا قبیلہ اس پر راضی ہے۔ کہ یہ ہمارا رہنما ہے، ممبر ہے، یہ ہمارا نواب ہے، یہ ہمارا افسر ہے۔ اب
حضورؐ ڈنڈا لیتے اور اسے مارتے کہ نہیں میں نے جب مکہ فتح کرلیا۔ اور اسلام آگیا تو تم کون ہو ہٹ جاؤ اس منصب
سے معزول ہو جاؤ۔ میں اپنے افراد تم پر حاکم بناؤں گا۔ آگے وہ لوگ دلوں میں متنفر ہوتے یا نہ۔ وہ قبائلی نظام تھا
اگر ذرا ان کے رہنما اور سردار کی طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھتے تو حضورؐ کے دشمن ہو جاتے۔ نہ اسلام پھیلتا۔ تو کسی
قوم کا جو معزز ہے اسے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے۔
نمائندگی کا کیا معاملہ کرتے
اب وہ قوم دیکھتی ہے کہ فلاں افسر ہے فلاں حاکم ہے وہ ہمارے اس سردار کے ساتھ
ہیں ویولیہ علیھم پھر جب وہ علاقہ مقبوضہ ہو جاتا تھا اور وہ شخص شرعاً نااہل نہ ہوتا۔ قوم نے اسے اپنا
نمائندہ بنایا تھا۔ تو حضورؐ بھی اعلان فرما دیتے کہ ہماری طرف سے بھی یہی والی ہے۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں
بنگلہ دیش والوں نے منتخب کیا مجیب الرحمٰن کو۔ اب انہوں نے اسے معزز سمجھا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا حاکم اور
والی یہ ہوگا۔ اور ادھر سے ہنگامہ مچ گیا کہ نہیں اُدھر تم اِدھر ہم۔ وہ جب کہتا ہے کہ میں پاکستان میں ہوں اور پارلیمن
ایک ہو۔ مجھے قوم نے چنا ہے تو تم کون ہو مجھے ہٹانے والے۔ اس سے سارا بحران آیا۔ کتنا عظیم بحران۔ اور پاکستان
دو ٹکڑے ہو گیا۔
پھر یہاں صوبہ سرحد میں لوگوں نے ایک پارٹی کو منتخب کیا اور بلوچستان میں دوسری کو منتخب کیا۔ اور ادھر بھٹو
صاحب نے اعلان کیا۔ کہ ان کے گورنروں کو میں نہیں چھوڑتا۔ ان کے گورنر ہٹادئے۔ آپ کو پتہ ہے کہ دوسرا
بحران اس سے شروع ہوا اور یہ ساری رسہ کشی اب تک جاری ہے۔ ورنہ جمعیۃ علمائے اسلام نیشنل پارٹی اور پیپلز
پارٹی کا اتحاد ہوتا۔ اور آگے یہ بحران نہ پیدا ہوا ہوتا۔ تو سات سال کتنے استحکام اور ترقی سے گزرے ہوتے ملک
کا نقشہ ہی اور ہوتا۔ راتوں رات آرڈر آگیا کہ فلاں قوم کا حاکم ہٹا دیا گیا ہے۔ بزنجو ہٹ گیا۔ ادھر وہ گرم ہو۔
کہ یہ کون ہے۔ ہم نے چنا ہے خراب ہے یا اچھا ہے یا صحیح ہے۔ اب تم بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ تو یہی
حضورؐ کے فیصلوں سے پیدا ہوتی تو شیرازہ تہس نہس ہو جاتا۔ تو یہ بڑے قیمتی الفاظ ہیں۔
ویکرم کریم کل قوم تو حضورؐ ہر قوم کے معزز اور سردار اور خان اور ملک جوان کا بڑا ہوتا اس کا
کرتے۔ کہ بھئی ٹھیک ہے۔ ویولیہ علیھم اور اسی کو پھر ان کا نگران اور نمائندہ والی بناتے۔ کہ چلو یہی والسرائے ہے
نمائندہ ہے۔ ہمیں بھی یہ منظور ہے۔ جمہوریت اور خود اختیاری اور شخصی ووٹ کا کتنا اکرام۔ یہ ووٹنگ کا

طریقہ تھا۔ ایک قوم نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ تو آپ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں جب تک وہ بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ چلتے رہیں تب تو آپ کامیاب ہوں گے۔ اگر آپ نے ڈنڈا لیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر وہ سیاست کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ویحذر الناس اور لوگوں کو ڈراتے بھی تھے۔ اللہ کے عذاب سے، برائیوں سے اور ظلم سے کہ اس کے نتائج خراب ہیں۔ بداعمالی کے نتائج خراب ہیں۔ محتاط رہو، چور اُچکے سے محتاط رہو۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں بھی محتاط رہا کرو۔ ایسے سادہ لوح مت ہو کہ کوئی بکس اٹھا کر لے جائے۔ کوئی کپڑے اٹھا کر لے جائے۔ کوئی زمین پہ قبضہ نہ کر لے۔ ہر وقت محتاط اور بیدار رہو۔ مطلب یہ ہے ویحترس منھم خود بھی حضور بہت محتاط رہتے۔ خود کو لوگوں کی تکلیف یا نقصان سے محفوظ رکھتے۔

ملاقاتی ہزاروں قسم کے آتے تو آپ دیکھتے کہ قاتلانہ ارادہ سے تو نہیں آیا۔ یا کوئی ایسی بات میں کہوں کہ راز ظاہر ہو جائے۔ اور کل یہ دوسری جگہ ساری بات پہنچا دے۔ تو آپ کے ساتھ تو ساری زندگی میں، عوامی زندگی میں ایسے لوگ آئیں گے تو صحیح حکمران اور ایڈمنسٹریٹر وہ ہے جو لوگوں کے بارے میں محتاط رہے۔ اپنے آپ کی بھی حفاظت کرے۔ بعض آدمی ہر قسم کی بات کہتا ہے ہر شخص کو ایک دم دوست بنا لیتا ہے۔ ہر شخص کو اپنا رازدان بنا لیتا ہے۔ آگے جا کر اس کو ٹھوکر لگتی ہے تو المومن لا یخدع ولا یُخدع کہ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھا سکتا ہے۔ تو حضورؐ خود بھی محتاط رہتے تھے۔ خوب پتہ ہے کہ دشمن ہے۔ اور یہ خطرناک ہے۔ پھر اس کے سامنے میں کیوں اِدھر اُدھر کی باتیں کروں لیکن اس کے ساتھ آگے مکارم اخلاق کی ایک عجیب بات ہے جب ایک شخص آیا مشتبہ قسم کا۔ اور پتہ بھی ہے کہ یہ گڑبڑ قسم کا آدمی ہے۔ محتاط تو ہو گئے ملاقات میں۔ لیکن بشاشت میں اور ظاہری خلق میں اور چہرے کی بشاشت میں کوئی فرق نہ آتا۔ اسی طرح تپاک سے ملتے، اسی طرح محبت سے ملتے۔

حضورؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ فلاں آیا ہے ملاقات کے لئے۔ تو حضورؐ نے کہا کہ یہ بدترین آدمی ہے۔ اپنی قوم کا شریر ترین آدمی ہے۔ تھا وہ خطرناک قسم کا۔ مطلب یہ بھی تھا کہ حضرت عائشہ بھی محتاط ہو جائے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے۔ حکومت تھی نظام تھا۔ غیبت کی نیت سے نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ بڑا خطرناک قسم کا آدمی ہے۔ پھر حضرت عائشہ پردے میں چلی گئیں۔ اور اس شخص کو بلایا۔ جب وہ آیا تو حضورؐ بڑے تپاک سے ملے۔ اور بڑے اخلاق عالیہ سے ملے۔ پھر حضرت عائشہؓ آئیں جب وہ باہر چلا گیا اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا تو حضورؐ سے کہا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ مگر آپ تو بڑی محبت سے ملے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ بدترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ اس کا میل جول ٹھیک نہیں۔ اس کی پیشانی پر بل آ جاتے ہیں۔ اور بدخلقی سے پیش آتا ہے۔

اب اگر بد خلقی سے لوگ اسے چھوڑ دیں اور کنارہ کش ہو جائیں ان من شر الناس کہ وہ بدترین لوگوں میں سے ہے۔ تو اس کی حقیقت تو ہمیں معلوم ہے حضورؐ نے فرمایا کہ خراب ہے۔ تو ہم محتاط ہوں گے۔ مگر ہمیں بد خلقی کی کیا ضرورت تھی کہ ملاقات میں بھی ہم وہ انداز اختیار کرتے جو یہاں بھی جس قسم کا آدمی آتا من غیر ان یطوی علی احد منھم بشرہ ولا خلقہ بغیر اس کے کہ پیشانی پر بل آجائے۔ چہرہ متغیر ہو جائے۔ اور اخلاق میں فرق محسوس ہو جائے۔ یہ نہیں کرتے تھے کھلی پیشانی سے اور ہنسی سے محبت سے ملتے۔ ویتفقد اصحابہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات بھی دریافت کرتے تھے۔ جو صحابی نہیں آیا تو پوچھا کہ فلاں صحابی نظر نہیں آیا۔ ان کی طبیعت کیسی ہے۔ ان کے گھر میں مریض تھا۔ ان کا کیا حال ہے۔ ان کا فلاں مقدمہ تھا۔ ان کا فلاں مسئلہ تھا۔ تو سارے ملک اور رعایا اور صحابہ ایک ایک کو کرید کرید کر حالات معلوم کرتے۔ تو ایک صحیح حکمران اور ایڈمنسٹریٹر وہ تو پاؤں پھیلا کر سوئے گا نہیں آرام سے۔ وہ تو ملکی حالات اور ساتھیوں پر نگاہ رکھے گا۔ اس کو تفقد کہتے ہیں۔

ویسئل الناس عما فی الناس لوگوں سے یہ بھی پوچھتے کہ باہر حالات کیا ہیں۔ جیسے آج کی اصطلاح میں کہیں کہ اخبار بھی پڑھتے۔ انٹلی جنس کی رپورٹیں اور یہ ساری معلومات تو ایک حکمران کے لئے ضروری ہیں تو حضورؐ کی مجلس میں جو بھی آتا اس سے پوچھتے کہ بھائی فلاں علاقہ میں اور فلاں قبائل میں گندم کا نرخ کیا ہے۔ خشک سالی تو نہیں ہے۔ بارش ہوئی ہے یا کوئی نئی صورت حال تو نہیں ہے اور بازار کے نرخ کیسے ہیں۔ اخلاقی حالت کیسی ہے دینی حالت کیسی ہے۔ ملک کیسے حالات میں ہے کہاں تک ترقی ہوئی ہے۔ یسئل الناس عما فی الناس۔ یہ نہیں کہ ایک مولوی جو مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جائے اور باہر سے آنکھیں بند کرلے۔ بلکہ ایک صحیح بیدار اور منظم نظام تھا ویحسن الحسن ویقویہ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کو تقویت پہنچاتے۔ ایک بڑی خرابی یہ ہے انسان کی ہم لوگ تو حزب اختلاف میں ہو جاتے ہیں تو پھر ڈنڈا لے لیتے ہیں کہ کوئی فرشتہ بھی ہے بس مارو کہ یہ خبیث سے بڑھ کر خبیث ہے۔ اگر اس نے اچھا کام بھی کیا تو اچھا نہ کہیں کہ کوئی اچھائی نہیں مانتے۔ اور اگر حزب اقتدار میں ہیں یا اس کے دوست ہیں تو اس کی ہر برائی اچھی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں کرتے تھے۔ بھلائیوں کی تائید کرتے اور تحسین کرتے تھے۔ اچھائیوں پر شاباش دیتے اور انعامات سے نوازتے۔ اور حوصلہ افزائی کرتے نیکیوں اور اچھائیوں کی۔ اگر برائی دیکھتے، قبیح دیکھتے، غلط کام دیکھتے تو اس کی تقبیح کرتے۔ اس پر آنکھیں بھی بند نہ کرتے۔ اچھے کو اچھا کہنا اور برے کو برا کہنا۔ اگر یہ دونوں پہلو ہیں۔ تو پھر اعتدال میں ہیں آپ۔ اور آپ کی بات کا اثر بھی ہوگا۔ ورنہ لوگ کہیں گے تو تعصب کی وجہ سے ہر وقت ڈنڈا اٹھائے ہوتے ہے اور اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

ویحسن الحسن نیکیوں کی تحسین فرماتے اور اس کو مضبوط کرتے۔ ویقویہ ویقبح القبیح اور برائیوں

اور قباحتوں کی تقبیح فرماتے ۔ ویوھیہ اور اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے کہ برائی کمزور ہو جائے اگر مٹ نہ سکے۔ تو کچھ اس پر ضرب لگا دو۔ کسی حد تک تو اس کو کنٹرول کر دو۔ کچھ بریک تو اس کو لگا دو ویوھیہ معتدل الامر خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ سارے معاملات میں اعتدال میں تھے ۔ میانہ روی ہوتی تھی اور بے اعتدال زندگی نہیں تھی غیر مختلف اور متوازن شخصیت تھے اس کا معنی یہ ہے کہ ہر معاملہ توازن میں تھا نہ کہ تلون اور گڑبڑ کہ آج کیا کہا اور کل دوسری بات۔ اور بات کے بھی پکے تھے۔ بعض آدمی ہوتا ہے صبح کو ایک فیصلہ کرتا ہے شام کو پھر دوسرا۔ دوپہر کو دوسرا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب کان کے کچے ہیں۔ اس کی یہی صورت ہے کہ رائے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک بات کر لیتا ہے بیچارہ ۔ دوسرا ملاقاتی آیا۔ اس نے اس کا دماغ اُدھر بدل دیا، تیسرا آیا اُدھر۔ حضورؐ میں ایسی بات نہیں تھی غیر مختلف پھر جب عزم کر لیا، ایک معاملے کو طے کر لیا۔ پھر اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ متلون مزاجی نہیں تھی حضورؐ میں اور توازن تھا حضورؐ میں ۔

اختلاف اپنے اقوال میں فیصلے میں پھر وہ محسوس نہیں کرتے تھے ولا یغفل مخافۃ ان یغفلوا حضور کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ اگر حکمران اور حاکم اور اصلاح کرنے والا لمبی تان کر سو جائے تو امت تو خود بخود غافل ہو جائے گی۔ وہ کب بیدار ہو گی۔ اور اگر حکمران بے غم اور بے فکر ہے اور ادھر روس کیا کیا منصوبے بنا رہا ہے۔ سرحدات کے اندر کیا اور سرحدات کے باہر کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائے تو قوم اور رعایا کب بیدار رہ سکے گی۔ ہمارے عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا ایک لطیفہ ہے۔ عجیب شخصیت تھے بڑا انقلابی انسان، عظیم کام کیا۔ امیر شریعت ان کو کہتے تھے۔ تو یہ عوام دیہاتی زمیندار وہ امیر شریعت وغیرہ۔ الفاظ کو تو جانتے نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ بیچارے اس فکر میں لگے رہے۔ جیلوں اور ریلوں میں زندگی گذاری اور پورے برصغیر میں شاہ صاحب کی زندگی اسی دین کی تبلیغ اور ختم نبوت کی اشاعت میں گذری۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا۔ میں نے ان سے خود یہ لطیفہ سنا تھا۔ کہ ایک دفعہ میں ایک جگہ سویا ہوا تھا اور دینی درد یہ چوٹ مجھے اس بات سے پڑی کہ اب آرام نہیں آتا کہ میں سویا ہوا تھا تو ایک دو دیہاتی زمیندار قسم کے لوگ آئے ملنے کے لئے۔ انہوں نے جھانک کر دیکھا تو کہا کہ "شریعت ستی پئی اے" ان کو شریعت اور امیر شریعت کا فرق نہیں تھا۔ دیہاتی لوگ تھے پنجابی زبان تھی۔ انہوں نے کہا کہ شریعت ستی پئی اے۔ کہ شریعت تو سوئی پڑی ہے۔ اب شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے سن لیا تو اس جملے سے مجھ پر ایسی چوٹ لگی کہ گویا کسی نے چھرا گھونپ دیا ہو۔ میں نے اللہ کی طرف سے یہ بات سمجھ لی کہ اچھا اگر ہم اسی طرح لمبی تان کر سو جائیں اور غافل ہو جائیں اور عیش و عشرت میں لگ جائیں تو پھر تو ساری شریعت سو جائے گی۔ اگر مولوی بالکل بے فکر ہو گیا۔ معاشرے سے تو شریعت کا کیا ہو گا۔ ایک حکمران اپنے

علاقے میں ضلع میں دروازہ بند کر دیا کہ چلو یار چھوڑو تو کیا حالت ہو جائے گی۔

توحضورؐ کے بارے میں فرمایا کہ ولا یغفل مخافة ان یغفلوا غافل نہیں ہوتے تھے۔ حضورؐ کسی لمحہ بھی کہ سارے لوگ بھی غافل ہو جائیں گے لکل حال عندہ عتاد' ہر کام کے لئے آپ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا ہر چیز کے لئے حضورؐ کا ایک ٹائم ٹیبل تھا۔ محتاط نظام لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس منٹ پر جا گئے ہیں اس منٹ پر سوتے ہیں۔ اس منٹ پر باہر تشریف لاتے ہیں۔ یعنی ہر چیز میں ڈسپلن لکل حال عندہ عتاد سفر ہو یا حضر جنگ ہو یا امن لا یقصر عن الحق ولا یجاوزہ حق کہنے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے اور نہ حق سے تجاوز کرتے۔ خود بھی حق کے حدود متعین تھے۔ لیکن ایک لمحہ اس سے متجاوز نہیں ہوتے اور نہ کسی اور کو حق تجاوز کرنے کا دیتے تھے تو امر حق میں کسی طرح کوتاہی نہ تھی نہ حد سے تجاوز فرماتے۔

الذین یلونہ من الناس خیارھم جو حضورؐ کے زیادہ قریب تھے۔ بیٹھنے میں اور تعلقات اور دوستی میں وہ لوگ ہوتے تھے جو نیک ترین ہوتے تھے۔ سامنے جو ہوتے بہترین اور خیر اور دینی لحاظ سے علمی لحاظ سے اخلاقی لحاظ سے اونچا مقام رکھتے تھے وہ قریب ترین ہوتے تھے حضورؐ نے درس میں بھی یہ حکم دیا تھا لیلنی منکم اولوالاحلام والنھی جو ذہین ہیں جو عقل و فکر والے ہیں۔ جو مدبر ہیں وہ مجھ سے قریب ترین بیٹھا کریں۔ کیونکہ ذہین اور عقلمند طلبہ علوم زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ افضلھم عندہ حضورؐ کی نگاہ میں لوگوں میں اچھا اور افضل اور پسندیدہ کون ہوتا؟ کیا یہ معیار تھا کہ جس کی موٹریں بہت ہوں۔ یا کارخانہ دار ہو۔ یا بہت بڑا افسر ہو۔ یا کوئی سرکش غنڈہ ہے۔ طاقت والا ہے۔ بدمعاش ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ہم تو ایسی لوگوں کو دوست بناتے ہیں۔ حضورؐ کی نگاہ میں افضلیت کا معیار تھا کہ جو اعمھم نصیحة کہ جس کی خیر خواہی جتنی زیادہ وسیع ہوتی۔ مخلوق میں جو لوگوں میں بہت زیادہ خیر خواہی کو پھیلاتا۔ جس کا خیر زیادہ پہنچتا تھا۔ جس کا خیر عام ہوتا تھا۔ وہ حضورؐ کے زیادہ قریب ترین ہوتے۔ نصیحت کہتے ہیں خیر خواہی کو۔ تو مخلوق کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے جو زیادہ دوڑ دھوپ کرتا تھا، جو زیادہ محنت کرتا تھا جس کا فیض زیادہ پہنچتا تھا۔ وہ حضورؐ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل ہوتا۔ واعظمھم عندہ منزلة احسنہ مواساة وموازرةً اور حضورؐ کی نگاہ میں افضل انسان، اونچا انسان وہ ہوتا تھا قدر و منزلت کے لحاظ سے جو ان سب لوگوں میں اچھا ہوتا تھا غم خوارگی کے لحاظ سے۔ مواساة غم گساری کو کہتے ہیں۔ اور مآزرة کسی کے دکھ درد میں ہاتھ بٹانے اور مدد کرنے کو کہتے ہیں۔ ازر پیٹھ کو کہتے ہیں کہ اشدد بہ ازری اور جو شخص لوگوں کے دکھ درد کو اپنے اوپر اٹھاتا ہے۔ اور ہمدردی کرتا ہے غمگسار ہے۔

مواسات کہتے ہیں کسی کی تکلیف میں محتاجی میں اور غربت میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ تو ایسا شخص حضورؐ کی نگاہ میں اونچا مقام رکھتا تھا۔ قال فسألتہ عن مجلسہ پھر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ابا سے پوچھا کہ حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں آتے تو نشست وغیرہ کا انداز کیسا ہوتا۔ آج تو ذرا سا کہیں عہدے والا یا افسر ہے یا دنیا دار ہے تو ہنگامہ مچتا ہے کہ اس کے لئے الگ سیٹ مخصوص ہے۔ اس کے آتے جاتے لوگ اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں اور ہٹو بچو کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ شان و شوکت اپنے لئے ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے۔ جب کہ آپ سربراہ مملکت ہو گئے۔ اور یہ سارے پروٹوکول ہم نے جو اپنے لئے مصنوعی بنا رکھے ہیں اور اپنی رعایا کے درمیان اتنے بڑے بڑے حجاب اور دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔

اور جو بیوروکریسی کا نظام ہم نے بنایا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنے لئے حضورؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جب صحابہ ان کے لئے اٹھتے تھے تو حضور فرماتے لا تقوموا کما تقوم الاعاجم وہ اس پر خوش نہیں ہوتے تھے کہ لوگ میرے آنے پر اٹھتے ہیں جیسے عجمی لوگ اٹھتے ہیں اس طرح سلامیں اور سلوٹیں مزاج مبارک کے خلاف تھیں غالب شان شانِ عبدیت تھی۔ حضورؐ کی عظمتیں آسمانوں تک، عرش تک پہنچتی تھیں۔ لیکن شان و شوکت کسی چیز میں پسند نہیں۔ راستہ میں حضورؐ کے ساتھ چلتے صحابہ کہتے ہیں کہ یہ شان و شوکت ضروری نہیں تھا کہ وہ آگے چلیں اور ہم پیچھے پیچھے بلکہ کبھی ہمارے ساتھ ساتھ چلتے کبھی اتفاقاً آگے چلتے کبھی پیچھے پیچھے چلتے۔ کسی سفر میں جب قافلہ کسی منزل پہ ٹھہر جاتا۔ تو جب صحابہ کام کاج میں لگ جاتے۔ تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم منع کرتے لیکن حضورؐ بھی ہمارے ساتھ کام میں لگ جاتے تھے۔ لکڑی جمع کر رہے ہیں۔ لکڑی جلا رہے ہیں۔ پانی بھر کر لا رہے ہیں۔ سب کاموں میں صحابہ کے ساتھ شریک ہیں۔ کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ تو اب جب منزل یعنی کسی مجلس میں اور نشست گاہ میں تشریف لاتے اور اٹھنا بیٹھنا ہوتا تو وہ کیسے ہوتا؟

فقال کان رسول اللہ لا یقوم ولا یجلس الا یذکر اللہ حضورؐ کا اٹھنا اور بیٹھنا سب کچھ اللہ کی یاد کے ساتھ ہوتا۔ اٹھتے تھے کسی مجلس سے اور مجلس برخاست ہوتی تھی تو کہتے تھے سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اس طرح خدا کا ذکر بیٹھنے میں بھی کرتے یا مطلب یہ ہے کہ اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اللہ کے کاموں کے لئے دین کے لئے تھا۔ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے تھا۔ یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ واذا انتھی الی قوم جب کسی مجلس میں تشریف لے آتے باہر سے اور لوگ بیٹھے ہوتے پہلے سے جلس حیث ینتھی بہ المجلس جہاں مجلس کا آخری سرا ہوتا وہیں بیٹھ جاتے۔ یہ نہیں کہ لوگوں کے کاندھوں پہ پھلانگ کر آگے جانا اور خصوصی نشست کے لئے خواہ مخواہ پہنچنا بلکہ کسی مجلس میں حضورؐ تشریف لاتے تو جہاں جگہ خالی ہوتی وہیں بیٹھ گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاں وہ بیٹھ گئے تو وہی میر مجلس تھے اور وہی صدارت کی مسند بن جاتی۔

ویأمر بذالک باقی لوگوں کو بھی منع کرتے کہ جب تم کسی مجلس میں آؤ تو خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ تم سب لوگوں کے کاندھوں پر پھلانگ جاؤ اور وہاں اپنی مخصوص نشست پر اور اسٹیج پہ اور کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ جہاں جگہ ملے وہیں

بیٹھ جاؤ۔ سب انسان برابر ہیں۔ اس کو تخطی رقاب کہا گیا ہے جو ناجائز ہے۔

یعطی کل جلسائہ بنصیبہ جتنے مجلس میں شرکار ہوتے تھے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ حصہ پہنچ جاتا تھا۔ ہر ایک کا حق ادا کرتے تھے۔ ہزاروں لوگ آ چکے ہوتے ہیں۔ یا مثلاً ایک وفد آتا ہے آٹھ دس افراد ایک ان میں سرکردہ ہوتا ہے تو ہم متوجہ ہو جاتے ہیں صرف اس کی طرف سارا خطاب اسی طرف ہوتا ہے۔ ساری بات چیت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضورؐ کی یہ عادت نہیں تھی۔ مجلس کے ہر شریک کو کچھ نہ کچھ توجہ مل جاتی تھی۔ وہ یہ کہ مثلاً ایک سے پوچھا آپ کی طبیعت کیسی ہے پھر دوسرے سے آپ کا مزاج تو ٹھیک ہے؟ آپ نے کھانا کھایا ہے آپ کے بچے کیسے ہیں۔ تو ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ میرے ساتھ حضورؐ نے بات چیت کی۔ مزاج پرسی اور خیر خیریت دریافت کرتا توجہ ہر ایک کی طرف مبذول فرماتے۔ ہزاروں لوگوں کا آنا جانا اور وفود کا یہ نہیں کہ ایک لیڈر ہے۔ بس وہی بات کرے اور اس کی طرف توجہ ہو گئی باقی اس طرح محروم رہے۔ حضورؐ تو رحمت اللعالمین تھے شفقت اور رحمت کا مجسمؐ۔ تو ہر ہم نشین جو مجلس میں بیٹھا ہوا ہوتا تو اس کو حصہ مل جاتا تھا۔

لا یحسب جلیسہ ان احداً اکرم علیہ منہ یہ خاص چیز ہے کہ اخلاق عالیہ کی وجہ سے ہر شخص یہ کہتا تھا کہ میں حضورؐ کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ ہر شخص کہتا تھا کہ میرے ساتھ خصوصی دوستی ہے اور مجھ سے بڑھ کر کوئی ان کو عزیز نہیں تو کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا۔ مجلس کے شرکا میں سے کوئی مجھ سے زیادہ عزیز ہے حضورؐ کو۔ ہر ایک کو یہ خیال ہوگا۔ کہ حضورؐ پر میں بہت گراں ہوں اور میں حضورؐ کو بہت زیادہ عزیز لگتا ہوں۔ یہ معمولی چیز نہیں ہے۔ مکارم اخلاق ہر ایک کے ساتھ ایسا سلوک اور ایسا برتاؤ کہ وہ انسان یہ سمجھے کہ بس میں ہی سب سے محبوب اور مقرب ہوں۔

من جالسہ اوفاوزہ فی حاجتہ صابرہ حتیٰ یکون ھو المنصرف اگر کوئی شخص حضورؐ کے پاس آکر بیٹھ گیا مہمان اوفاوزہ فی حاجتہ یا کسی معاملہ میں اور ضرورت لے کر حضورؐ کے پاس چلا آیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو عظیم مصروفیات تھے ایک طرف امور مملکت ہیں جہاد کے امور ہیں مسلمانوں کے حالات تجاویز و مشورے عبادت گھریلو مسائل۔ ہزاروں وفود کا آنا جانا ایسے شخص کا تو ایک ایک منٹ قیمتی ہوتا ہے۔ لیکن ادھر حیا کا یہ عالم ہے اور اخلاق اتنے اونچے ہیں کہ ایک شخص بھی اگر آکر بیٹھ گیا دھرنا مار کر بعض آدمی آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اس کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں کتنے عظیم شخص کے پاس بیٹھا ہوں وہ تو اپنے گپ شپ میں لگا رہتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ چلیے آج ہی موقع ملا۔ تو عموماً لوگ تو جلدی سے کہہ دیتے ہیں کہ دو منٹ ہیں ملاقات کے۔ ادھر گھنٹی بجاتے ہیں کہ بس اٹھو۔ مگر حضورؐ کو ہم سے زیادہ ہزاروں ذمہ داریاں تھیں۔ اور ضروریات اور مسائل تھے۔ مگر خود یہ نہیں کہتے تھے کہ چلیے مجلس برخاست ہے۔ پریشانی بھی ہوتی تھی سب کچھ لیکن مروت و حیا

جہ سے جب تک وہ بیٹھا رہتا تھا۔ حضورؐ بھی اپنے نفس پر قابو رکھتے۔

صابرہ کے لفظ میں یہ سب کچھ موجود ہے کہ مشکل کام ہے لیکن صبر کرتے تھے۔ سخت حالات پر بھی صبر جب
۔ ملاقاتی نہ کہتے کہ میں جاتا ہوں تو حضورؐ نہیں کہتے تھے کہ چلیے جناب میرے اور بھی تو کام ہیں۔ کسی نے اگر ہاتھ
حضورؐ کے ساتھ تو حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ خود ہاتھ نہیں کھینچتے۔ جب تک اس نے ہاتھ نہیں کھینچا
سوس نہ کرے کہ ان کے ہاں میری اہمیت نہیں۔ تو اپنے نفس کو روکے رکھتے تھے کہ جب تک وہ خود چلا نہ جائے
ڑ کر نہ جاتے۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک اور پیشانی پر کوئی بل بھی نہ آتا۔ کہ بس ہے نا آپ کا کام ہو گیا اب چلو۔

ایک بڑھیا نے آواز دی کہ میرا ایک کام ہے تمہارے ساتھ۔ بوڑھی عورت تھی حضورؐ نے کہا۔ اے ماں کے
بن گلی میں تو مجھے پکارے گی میں خود پہنچ کر آجاؤں گا۔ رات کو بلائے گی دن کو بلائے گی۔ جس جگہ تمہارا گھر
بس مجھے اطلاع دینے کی ضرورت ہے۔ تکلیف مت کیا کرو آنے کی میں خود پہنچ جاؤں گا۔

ومن سأله حاجة لم يرده الا بها اگر کسی شخص نے کوئی چیز مانگی کوئی حاجت لے کر آیا۔ کوئی مسئلہ لے
یا۔ حضورؐ کوشش کرتے کہ وہ اس کی حاجت پوری کر کے اسے واپس کر دے۔ اسے رد نہیں کرتے تھے۔ مگر اس
ت کے ساتھ۔ بغیر مقصد برآری کے اس کو نہیں چھوڑتے تھے۔ گھر میں جو بھی ہے اس کو دے دی۔ کسی نے کپڑے
گے۔ کسی نے کھانا مانگا۔ تو جو بس میں ہوتا تھا وہ دے دیتے۔ اور بعض وقت انسان کے بس میں نہیں ہوتا کچھ
یا وہ حاجت اور ضرورت اس کی صحیح نہیں ہوتی۔ مطالبہ غلط ہوتا ہے یا پورا نہیں کر سکتے ہیں تو پھر ڈانٹ ڈپٹ
ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ مگر آپ ہرگز ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ او بميسور من القول جب کچھ نہ ہوتا تھا تو
راور محبت کی باتوں کے ساتھ اس کو رخصت کرتے تھے۔ نرمی اور یسر کے ساتھ ان کو سمجھا دینا۔ کہ یہ چیز
رے بس کی نہیں نہ ہم پوری کر سکتے ہیں اور اس کو اچھے طریقے سے واپس کر دینا قد وسع الناس بسطه
لقه۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ کی بشاشت اور رحمت اور کھلی پیشانی تمام عالم کو وسیع ہو گئی تھی۔ اس نے
یا سارے بنی نوع انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ ان کے اخلاق اور ان کی بشاشت ساری مخلوق کو سمو چکی تھی
ی اس سے محروم نہیں رہا۔

فصار لهم ابا حضورؐ تمام بنی نوع انسانیت کے لئے باپ کی طرح بن گئے۔ وصاروا عنده فى الحق سواء اور
رے انسان حضورؐ کی نگاہ میں حقوق کے لحاظ سے برابر تھے۔ یہ نہیں کہ ایک کا حق تو پورا ہو جائے اور دوسرا محروم رہے
میرا قریب ہے یا عزیز ہے اس کے تعلقات ہیں اس کی دوستی ہے۔ اگر کسی کا کوئی حق ہے تو سارے انسان ان کے نگاہ
بالکل برابر ہیں۔ یعنی کوئی ترجیح اور کسی کو محروم کرنا اور کسی کو نوازنا کسی کو دینا یہ نہیں تھا۔

مجلس کیا تھی مجلسه مجلس علم لوگوں کی حجروں میں اور بیٹھکوں میں جو یہ گپ شپ یہ ہنگامے اور یہ خرافات

ہوتے ہیں۔ تو یہ باتیں نہ تھیں بلکہ حضورؐ کی مجلس اور صحابہ کی مجلس مجلسؐ علم علم کی مجلس تھی وحیا، حیا اور شرافت کی
مجلس تھی وصبر اور صبر کی مجلس تھی۔ یعنی بے صبری تو یہ ہوتی ہے۔ ایک بات کرتا ہے، ابھی اس نے بات ختم
نہیں کی دوسرا شور مچاتا ہے۔ ایک کہتا ہے میں پوچھتا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے میرا پہلے حق ہے۔ اور ایک کہتا ہے
میں تنگ ہوگیا ہوں یا یا، باہر جاتا ہوں۔ تو یہ کوئی صورت نہیں تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ حضورؐ کے ہاں قطع کلامی نہیں تھی جب ایک صحابی بات کرتا تھا تو سارے خاموش
سے سنتے تھے۔ ایسی پارلیمنٹ اور ایسی اسمبلی اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہاں قطع کلامی نہیں ہوتی تھی۔ و
غصے میں آپے سے باہر ہوکر ایک آدمی دوسرے پر نہیں حملہ کرتا۔ گالی گلوچ نہیں۔ کرسیاں نہیں چلتیں۔ جو کچھ یو
کی اسمبلیوں میں دیکھتے ہیں آپ۔ اور طعن و تشنیع و تنقید اور ہر ایک بے صبری میں لگا رہتا ہے۔ یہاں ہر شخص م
میں ہے۔ اور وقار ہے۔ حقیقت میں یہ پارلیمنٹ ہے۔ بڑے بڑے مسائل ہیں اور اس پارلیمنٹ کی یہ حالت
ہے وامانۃ اور وہ امانت کی مجلس ہوتی تھی یعنی المجالس بالامانۃ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ مجلسیں بھی ایک
امانت ہیں۔ مال و دولت سونا چاندی یہ امانت ہیں۔ تو ہر مجلس ایک امانت ہے۔ امانت میں خیانت کرنا عظیم
ہے۔ تو مجلس میں ہزاروں باتیں پیش آتی ہیں۔ ایک نہ ایک کی خامیاں سامنے آجاتی ہیں۔ آپ مجھے مجلس م
کسی کا راز اور کسی کا مسئلہ بتلا دیتے ہیں۔ اور میں اسے آؤٹ کردوں۔ یہ میں نے گویا امانت میں خیانت
دی۔ مجلس کی باتیں باہر نہیں پھیلائی جاتیں۔

لا ترفع فیہ الاصوات آوازیں اس مجلس میں اس پارلیمنٹ میں ایک دوسرے پر نہیں اونچی ہو
تھیں۔ یعنی ایک باتیں کر رہا ہے دوسرا اس سے زور زور سے چیخ کر بولتا ہے کہ پہلے مجھے باری دو اور آوازیں
کسی جاتی ہیں تو اس میں آوازیں ایک دوسرے پر نہیں کسی جاتیں کہ ایک دوسرے پر آواز بلند کی جاتی
کہ میری تقریر یہ لوگ سن لیں۔ اور دوسرے کی آواز دب جاتے۔ موجودہ دور کی اسمبلیوں والی صورت نہ تھی۔

ولا تؤبن فیہ الحرم عزت اور آبروئیں ایک دوسرے کی داغدار نہیں کی جاتی تھیں۔ اس کی حر
پر دست درازی اس کی حرمت پر دست درازی اور زبان درازی سے ہر ایک کی عزتوں، عصمتوں، آبروؤ
کو داغدار بنانا۔ اسے تابین کہتے ہیں اس مجلس میں عیب جوئی اور نکتہ چینی نہیں کی جاتی تھی۔ آپس میں ایک دوسرے
عزت اور حرمت پر۔

ولا تنثی فلتاتہ لغزشیں ہر مجلس میں ہوتی ہیں کوتاہی ہر انسان سے ظاہر ہوتی ہے تو مجلس کی لغزشیں د
دبا دی جاتی تھیں۔ یہ نہیں کہ ہم نے ایک خامی یہاں ایک مجلس میں دیکھی اور پھر باہر اس کو پھیلاتے رہے دہراتے
اس کے پھیلانے کو نثو کہتے ہیں۔ تو اس مجلس کی لغزشوں کو کسی کی سبقت لسانی کی وجہ سے غلط لفظ نکل گیا مگر چھپایا

ن سنے یا اور کوئی شرمناک قسم کا کام ہو گیا انسان سے، کسی ساتھی سے مجلس ہیں اب سارے باہر ڈھول پیٹ ہے
ِ جگہ جگہ کہ فلاں نے اس مجلس ہیں ایسی حرکت کی۔ کوئی لغزش کوتاہی تقریر میں عمل میں کوئی کسی سے ہوئی تو وہیں دب
ی تھی۔ اس کمرے سے باہر وہ بات نہیں پھیلائی جاتی تھی۔

متعادلین آپس ہیں بالکل عدل و انصاف کرنے والے۔ ایک دوسرے کو بہتر سمجھنے والے نہ یہ کہ دوسرے کو
سمجھے۔ حسب اور نسب کے لحاظ سے۔ کسی کو اونچا سمجھنا کسی کو نیچا سمجھنا یہ مال و دولت ہیں اونچا ہے یہ فسٹ
س ہے اور یہ سیکنڈ کلاس ہے۔ یہ تھرڈ طبقہ ہے تو یہ چیزیں نہیں تھیں۔ سب متعادلین تھے دولت اور مادی
زوں کے لحاظ سے یہ امتیازات قائم نہیں کرتے تھے سب صحابہ برابر یتفاضلون فیہ بالتقوٰی ایک دوسرے
ان پر فضیلت تھی احترام کیا جاتا تھا۔ اور اہمیت تھی تو تقوٰی کے لحاظ سے جو اللہ سے ڈرتا تھا اور اس ہیں خوف
اوندی ہوتا تھا۔ اس کو فضیلت ہوتی اور اس کو کلاس ون سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی حیثیت درجوں کی نہیں بنتی تھی۔

یوقرون فیہ الکبیر اس پارلیمنٹ اور مجلس ہیں احترام کیا جاتا تھا بڑوں کا کوئی بوڑھا آتا ہے کوئی معمر
اہے بزرگ آتا ہے۔ تو حضورؐ نے خاص اہتمام سے بڑوں کے آداب بیان کئے ہیں۔ ہر چیز میں ان کو اہمیت دو۔ ان
عزت کرو اور فرمایا من لم یوقر کبیرنا فلیس منا دوسری جگہ فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت
ی اور بڑوں کی عزت نہ کی تو ہم میں سے نہیں۔ تو یہاں صحابہ سب ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے۔ اور بڑوں
خاص احترام تھا۔ ویرحمون فیہ الصغیر اور جو چھوٹے ہوتے تھے ان پر رحم اور شفقت فرماتے تھے
حابہ اس مجلس ہیں ویؤثرون ذالحاجتہ اور اگر کوئی محتاج ہو ضرورت مند ہو تو اس کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک
شخص آیا ہے کہ وہ حاجت والا ہے یا اس کی حاجت فوری ہے وہ ایمرجنسی کیس میں مبتلا ہے۔ اور پریشانی ہیں ہے
ہ کہتے تھے کہ بھائی تم چپ ہو جاؤ۔ پہلے اس کا نمبر ہے اس کی ضرورت پہلے ہے۔ اب جو پہلے سے صحابہ ہیں وہ
دیکھ لیتے ہیں کہ اس کی حاجت زیادہ ہے اور اہمیت اس کی زیادہ ہے۔ تو فیصلہ کرتے تھے کہ یہ اپنا معاملہ پہلے پیش
کر دے۔ کیونکہ محتاج ہے اس کی ضرورت ہے بعد میں ہم کر لیں گے۔

ویحفظون الغریب اور جو پردیسی اس مجلس ہیں آجاتا تھا۔ اور اجنبی اور مسافر اور نئے لوگ ان کی
پوری نگہداشت اور حفاظت کرتے تھے۔ یعنی ان کے آرام و راحت کی، پھر اس مجلس کے بعد پردیسی کے لئے
کھانے کا انتظام کرنا۔ گھروں ہیں لے جانا ان مسافروں کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ یا یہ مقصد بھی ہے کہ صحابہ تلاش
میں ہوتے تھے۔ کہ کسی پردیسی کو پکڑ لائیں کسی اعرابی کو۔ صحابہ حضورؐ کے ساتھ بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے
لیکن ادب و عظمت اور حرمت ایسی تھی جو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ جیسے صحابہ کو اور دیہاتی اور گنوار قسم کے
لوگ تو سیدھے سادے تھے۔ تو اگر کوئی ایسا آتا ملاقات کے لئے مدینے تو بہت خوش ہو جاتے تھے کہ آج کچھ

(باقی صـ ۴۰ پر)

سمیع الحق

وفیات

- ہمارے حلقہ کے جید معمر اور مجاہد اسلام عالم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب انارکلی لاہور کا بھی ان دنوں وصال ہوا۔ مرحوم بہادر عزیمت فقر وزہد اور اعلاء کلمۃ الحق میں اکابر کا نمونہ تھے حق تعالیٰ بہترین اجر و ثواب سے مالا مال فرمائے اور اخلاف کو ان کے اتباع کی توفیق دے۔
- پچھلے دنوں ممتاز بزرگ اور داعی حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب صدر شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج پشاور کی والدہ محترمہ کا وصال ہوا۔ مولانا علمی و تبلیغی حلقوں کی معروف شخصیت ہیں۔ دارالعلوم اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پشاور جا کر مولانا سے مرحومہ کی وفات پر اظہار تعزیت کیا۔ قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔
- حضرت مولانا مجاہد خان صاحب الحسینی فاضل دیوبند نوشہرہ علماء دیوبند کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ آزادی ہند کے ہنگامہ خیز دور میں آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے حفاظتی دستہ میں شامل اور حضرت کے خاص ترین خدام میں سے تھے۔ ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہوا جو خود ایک خدا ترس علم دوست بزرگ شخصیت تھے۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھائی اور دارالعلوم سے کئی حضرات نے شرکت کی۔ مرحوم کے درجات عالیہ کے لئے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔
- حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ایک مرید باصفا کلورکوٹ کے استاد الحفاظ حافظ سراج الدین صاحب ناظم عمومی کالعدم جمعیۃ علماء اسلام ضلع میانوالی کا ۵ دسمبر کو انتقال ہوگیا سب حضرات سے دعا کی امید ہے۔ قیام الدین حسینی بن مرحوم حافظ صاحب کلورکوٹ
- حضرت مولانا فقیر احمد نور صاحب سکنہ پارک ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کا بعمر ۸۵ سال انتقال ہوگیا۔ مرحوم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کے تلمیذ رشید اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کے خلیفہ مجاز علم و عمل کے پیکر تھے۔ دینی کتابوں کے رسیا اور عمر بھر اس کے جمع کرنے کے شائق تھے۔ خاندان میں درجن بھر علماء و فضلاء موجود ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد جمعیۃ علماء اسلام میں رہے اپنے علاقہ میں مولانا مفتی محمود کی کامیابی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ دعاء مغفرت کی توقع ہے۔ عبدالغفور سکنہ روڑی خیل۔ ڈی آئی خان
- ہمارے محترم حضرت مولانا محمد رمضان صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام میانوالی و مولانا غلام حیدر صاحب پروفیسر و محترم مولانا احمد سعید صاحب میانوالی کی والدہ محترمہ ۵ ار دسمبر کو وفات پاگئیں۔ دعائے مغفرت شامل حال فرمائیں۔

پروفیسر مولانا انوار اللہ صاحب ۔ ریسرچ ایڈوائزر
فیڈرل شریعت کورٹ۔ اسلام آباد

ثبوت جرم یا ثبوت حق

کا

شرعی نصاب

اسلامی شریعت میں کسی امر کو ثابت کرنے کے لیے یا تو اقرار ہونا چاہیے۔ اقرار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب کا خود ہی اقرار کرے یا اپنے اوپر کسی دوسرے شخص کے حق کو تسلیم کرے تو پھر مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن و حدیث میں اقرار کو اولین اہمیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ اور سورہ نساء کی آیت ۱۳۵ سے واضح ہے اس کے علاوہ صحاح ستہ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار ہی کی بنیاد پر حدود نافذ کی ہیں۔ مثلاً آپ نے ماعز بن مالک اسلمی اور غامدیہ صرف ان کے اقرار پر حد نافذ کرنے کا حکم دیا۔

اقرار کی عدم موجودگی میں کسی جرم کے ارتکاب یا حق کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے گواہی دینا ضروری ہے جسے شہادت یا بیّنہ کہتے ہیں۔ لفظ شہادت مشاہدہ سے ماخوذ ہے۔ اور مشاہدہ معائنہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ شاہد اس چیز کا بیان کرتا ہے جو اس نے معائنہ کیا ہو اور خوب دیکھا ہو۔ لیکن اصطلاح میں کسی عدالت میں لفظ گواہی کے ساتھ حق بات ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں[1] گواہی یعنی شہادت کے ماخذ کے لحاظ سے مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں۔

۱۔ شہادت بالعین۔ شہادت بالعین سے مراد آنکھیں دیکھی شہادت ہے اسے عینی شہادت یا عینی گواہ بھی کہتے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کسی گواہ کے بیان کے صرف اس حصہ کو تسلیم کیا جاتا ہے جس میں اس نے آنکھوں دیکھے کوائف بتلائے ہوں[2]

۲۔ شہادت بالسماع۔ اس سے مراد ایسی شہادت ہے جو سن کر دی جائے مثلاً کسی آواز، چیخ و پکار کے بارے میں گواہی دے۔ کئی امور ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق عام سنی سنائی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔

---

[1] فقہ السنہ سید سابق ج ۳ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت [2] الہدایہ للمرغینانی ج ۳ ص ۱۵۹

۳۔ شہادت علی الشہادت۔ جب کوئی عینی گواہ کسی معذوری کی وجہ سے شہادت نہیں دے سکتا۔ تو اس کی شہادت پر دوسرا شخص شہادت دے سکتا ہے۔ اسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں۔[1]

ادائے شہادت کے نقطۂ نظر سے شہادت کی صورتیں بھی تین ہیں۔

۱۔ تحریری و زبانی شہادت۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو تحریر میں لاؤ۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ سے ظاہر ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تحریری شہادت زبانی شہادت سے زیادہ معتبر ہے اور جب کسی امر کے بارے میں تحریری شہادت موجود ہو تو اس کے بارے میں زبانی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ تحریری شہادت زبانی شہادت کی تقویت کرتی ہے۔

۲، ۳۔ بلا واسطہ یا بالواسطہ شہادت۔ عینی گواہ اور متنازع امر کے بارے میں دستاویز جیسی شہادتیں بلا واسطہ شہادتیں کہلاتی ہیں۔ اور شہادت علی الشہادت سنی سنائی شہادت اور قرائن سے حاصل شدہ نتائج کو بالواسطہ شہادت کہا جائیگا۔

نصاب شہادت۔ معاشرتی معاملات اور اموال کے حقوق کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں ہے۔ "واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان" (اور لین دین کے معاملات میں) اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں)

زنا کے علاوہ حدود و قصاص میں بھی دو مردوں یا ایک عورت اور دو عورتوں کی شہادت درکار ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۶ میں ہے۔ "یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم او آخران من غیرکم" (اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے (موت کے آثار نمایاں ہوں) اور وصیت کرنے لگے تو وصیت کرتے وقت تم (مسلمانوں) میں دو عادل گواہ بنا لاؤ (اگر مسلمان نہ ہوں) تو اپنوں کے سوا دو گواہ بنا لاؤ (غیر مسلم)

زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ سورہ نساء کی آیت ۱۵ میں ہے "فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم (پس ان زانیہ عورتوں) پر اپنے (مردوں) میں سے چار کو گواہ بناؤ) یا سورہ نور کی آیت ۴ میں ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء (اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں) یا اسی سورت نور کی آیت ۱۳ " لولا جاءوا علیہ باربعۃ شھداء" (تو اس بات پر چار شاہد کیوں نہ لاتے) تو ان آیتوں میں چار کی تعداد مخصوص ہے۔ اس لئے ثبوت زنا کے لئے چار گواہ بہت ضروری ہیں یعنی واجب ہیں اور ان چاروں

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص ۴۵۶

ہونا بھی ضروری ہے۔ شیعہ فقہ کی رو سے زنا چار مردوں یا تین مردوں اور دو عورتوں یا دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت سے ہی ثابت ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ کے زمانہ سے یہ سنّت شرعی چلی ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ اس بارے میں اہلسنّت کے فقہا متفق ہیں[1]۔ اس بارے علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ "جب مال کے بارے میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مانی گئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اور معاملات میں ان کی شہادت غیر معتبر سمجھی جائے۔ جو عورت حفظ و عقل میں کامل ہو اور دیندار بھی ہو تو ایک کی شہادت سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ محض دینی امور میں اس کی ایک ہی گواہی معتبر ہے"[2]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:-

"ہمارے استاد (ابن تیمیہ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ بھی فیصلہ کر دیا جاتے کہ صرف ایک عورت اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کیا جائے تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ شاہد رہنے کی صورت میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں تاکہ ایک بھول نہ جائے اور ادائیگی شہادت کے وقت کے بارے میں کتاب و سنّت میں کہیں یہ نہیں آیا ہے کہ جب تک دو نہ ہوں شہادت مانی ہی نہ جائے۔ اور دو عورتیں ہی گواہی میں لی جائیں۔ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ کیا ہی نہ جائے"[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت کے معاملے میں صرف ایک لونڈی کی شہادت قبول کر کے ابن حارث اور ان کی بیوی ام یحییٰ بنت وہاب میں جدائی کر دی تھی کیونکہ اس عورت نے یہ گواہی دی تھی کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلایا تھا[4]

بہرحال حدود و قصاص اموال کے علاوہ باقی امور میں ایک عورت کی بھی گواہی مقبول ہے بلکہ شیعہ فقہ کی رو سے اموال و دیگر ذخیرہ میں بھی دو عورتوں اور قسم سے ثبوت آ سکتا ہے۔

لیکن چونکہ عورتوں کی شہادت حدود کے معاملات میں صرف عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے۔

ضرورت حقوق کے لئے اگر کسی معاملہ میں صرف ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے طور پر خصوصی قسم مدعی سے لی جا سکتی ہے اور مصلحت کے تحت کسی بھی معاملہ میں ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت لعان میں قسم

---

[1] ہدایہ للمرغینانی جلد سوم صہ ۱۵۵　[2] اعلام الموقعین جلد اول صہ ۹۵　[3] ایضاً صہ ۹۶

[4] بخاری کتاب الشہادت

کو گواہ کا قائم مقام مقرر کیا گیا ہے۔ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے :-

شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل شخص کی شہادت کو کسی موقعہ پر بھی رد نہیں کیا۔ بلکہ اس کی شہادت کی عزت کی جیسے کہ ابو قتادہ کے ایک مشرک کے قتل کر دینے کے بارے میں ایک شخص کی شہادت مان لی۔ خزیمہ کی تنہا شہادت قبول فرمائی۔ رمضان کے چاند کی گواہی صرف ایک اعرابی کی معتبر مانی۔ حبشن لونڈی کی تنہا شہادت پر رضاعت کے ثابت ہونے کا فیصلہ فرما دیا۔ کیلئے تمیم کی خبر بھی معتبر مان لی جس نے ایک محسوس امر کی گواہی دی تھی۔ ...... بلکہ اللہ نے فاسق کی خبر کی تردید کا بھی بغیر ثبوت اور دلیل کے حکم نہیں دیا[1]۔

گواہ کی شرائط۔ گواہ ہونے کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ عاقل ہونا۔ ۲۔ بالغ ہونا۔ ۳۔ عادل ہونا۔ ۴۔ محدود بالقذف نہ ہونا

بعض فقہا نے عقل، بلوغ اور عدل وغیرہ کے علاوہ بصارت یعنی بینائی اور نطق یعنی گویائی بھی شرط کی ہیں۔

جہاں تک گواہ کے عادل ہونے کا تعلق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان لوگ عادل ہیں باہم ایک دوسرے پر حجت ہیں سوائے ان کے جن پر قذف کی حد لگ چکی ہو۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان گواہ کے معاملے میں قاضی اس کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے جب تک فریق مخالف اس میں کوئی خامی یا نقص نہ بتائے۔ علامہ سید سابق نے فقہ السنہ میں لکھا ہے کہ گواہ کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی خیر ان کی شر پر غالب ہو یعنی ان کی اچھائیاں ان کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور وہ جھوٹ سے متہم نہ ہو۔ اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ وہ فرائض اور نوافل کا پابند ہو۔ اور گناہ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہو اور مشتبہ اقوال اور اعمال سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہو[2] لیکن اختلاف اور اشتباہ کی صورت میں قاضی خود گواہ کی عدالت کے بارے میں اطمینان کرے۔ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں لکھا ہے کہ " خاص کر اس فساد کے زمانے میں قاضی کو مکمل اختیار ہے کہ وہ گواہ کی عدالت قبول کرے یا نہ کرے۔ جیسا کہ ابن ابی لیلی نے گواہوں کو قسم دینے کو پسند فرمایا ہے[3]۔

قسم۔ اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں مدعی کے مطالبہ پر قاضی مدعا علیہ سے قسم لے گا جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے۔ " البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر " (مدعی پر گواہ لانا ضروری ہے۔ اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔) اور اگر مدعا علیہ قسم دینے سے انکار کرے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مدعا علیہ

---

[1] اعلام المرقعین۔ [2] فقہ السنہ سید سابق جلد سوم ص ۳۳۴-۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت [3] البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ہفتم ص ۶۳

اگر قسم سے انکار کرے تو مدعی سے قسم لی جائے گی تاکہ معلوم کر سکے کہ قسم اٹھانے والا کس طریقہ سے اور کس انداز سے قسم کھاتا ہے۔ کیونکہ قسم ایک فیصلہ کن ثبوت ہے۔ اس لئے یہ قاضی کے سامنے ہونا چاہیئے۔ تاکہ انصاف ہو سکے [۵۱]

قرائن اور حالات کی شہادت۔ اگر فریقین میں سے کسی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور کسی فریقین سے خصوصی قسم لینا ممکن نہ ہو تو ضرورت، مصلحت اور حالات کے مطابق ضیاع حقوق و حدود سے بچنے کے لئے اور حصول انصاف کی خاطر ہر وہ گواہی قبول کی جاسکتی ہے جو یقین کا فائدہ دے۔ یہ اس صورت میں بھی کار آمد ہو گا جب کسی ایک فریق کے پاس مقررہ نصاب شہادت سے کم عینی گواہ ہوں۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ "مدعی پر بینہ ہے اور مدعا علیہ پر قسم۔" تو ابن القیم نے لکھا ہے کہ بینہ ہر وہ چیز ہے جو حق کو ظاہر کرے۔ یہی معنی قرآن و حدیث میں اس لفظ سے لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینات۔ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاءتھم البینہ قل انی علی بینۃ من ربی۔ ام آتیناھم فھم علی بینۃ منہ"

تو ان سب آیتوں میں یہ لفظ روشن دلیل یا ظاہر حق یا دلیل حق کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس پس منظر میں اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو دیکھیں "الک بینہ" یعنی کیا تمہارے پاس حق ظاہر کرنے کی کوئی دلیل ہے؟ یا "البینۃ علی المدعی" یعنی مدعی پر لازم ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے جس سے حق ظاہر ہو۔ خواہ وہ گواہ ہوں اور کوئی چیز۔ گویا ثبوت حق کسی ایک عین چیز پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ فقہا نے اسے صرف دو گواہ اور ایک قسم پر مخصوص کیا ہے [۵۲] بلکہ عینی شہادت، تحریری شہادت، قسم، اقرار اور ہر قسم کی قرائنی شہادت بینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان میں پھر ایک گواہ کی قائم مقام ہے۔ چنانچہ زبانی گواہوں کی مقررہ تعداد میں کمی یا بالکل نہ ہونے کی صورت میں کسی بھی قسم کی بینہ جو یقین کا فائدہ دیتی ہو کو قبول کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن یہ درجہ میں بہر حال گواہوں سے بعد میں ہے اس لئے یہ اس صورت میں کیا جائے گا جب حقوق و حدود کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا انصاف کا حصول دشوار ہو۔ آگے چل کر ابن القیم لکھتے ہیں۔

ناممکن ہے کہ شارع ایسی دلیل اور ایسی دلالت کو مہمل کر دے اور ایسے حق کو ضائع کر دے جس کا ظہور اور حجت ہر شخص جان سکتا ہے بلکہ جب اس کے خلاف لوگوں کا خیال ہو گیا تو وہ حکم کے صحیح طریقہ کو ضائع کرنے لگے۔ اور ان کے ہاتھ سے بہت سے حقوق تلف ہونے لگے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حق کے ظاہر ہونے کا ایک ہی عین طریقہ تھا۔ پس اس صورت میں

---

۵۱ اسلامی قانون شہادت۔ عبد الملک عرفانی صد ۱۷۵

۵۲ اعلام الموقعین جلد اول عربی صد ۹۱۔ ابن القیم الجوزیہ۔ دار الجیل۔ بیروت۔

ہر ظالم بدکار کے لئے ظلم اور بدکاری آسان ہوگی۔ وہ اپنا کام کھلے بندوں کرگزرا اور صاف کہہ دیا کہ دو گواہ لا کر پیش کرو۔ گواہ ملے نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے اور مخلوق کے بہت سے حق تلف ہونے لگے [۱]

قرائن کی شہادت اسلامی فقہ میں فیصلہ کن اور مستقل چیز نہیں ہے۔ لیکن صحیح فیصلہ کی جانب ممد و معاون ثابت ہوتی ہے قرآن کریم نے اس کی اہمیت اور افادیت کی طرف سورہ یوسف میں اشارہ کیا ہے۔ کہ حضرت یوسف پر عزیز مصر کی بیوی کا الزام زنا رد کرنے کے لئے قرائن سے مدد لی گئی تھی جب عزیز مصر کے گھر ایک صاحب معاملہ اور ہوشیار شخص نے واقعہ کی تفصیلات سن کر کہا کہ اگر یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہے تو یوسف کا قصور ہوگا۔ اور اگر پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عزیز کی بیوی (جس کا نام زلیخا بتایا جاتا ہے) قصوروار ہوگی۔ چونکہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت یوسف بے گناہ قرار پائے۔

صاحب ہدایہ نے ابن مسعود کی روایت نقل کی ہے جنہوں نے فرمایا۔

"اگر تم کسی کے منہ سے شراب کی بو محسوس کرو تو اس کو کوڑے مارو"[۲]

طبرانی نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو کوڑے لگائے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی [۳] تو گویا اسلامی قانون میں شراب نوشی کے جرم کے ثبوت میں منہ سے شراب کی بو اور ذہن و جسم پر نشہ کی کیفیت کا حوالہ بھی قرائن کی شہادت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور بعض اوقات قرائن کی شہادت آنکھوں دیکھی شہادت کے برابر اہم ہوتی ہے مثلاً اگر ہم دیکھیں کہ ایک شخص کسی مکان کے دروازے سے متوحش حالت میں اور ہاتھ میں خون آلود چاقو خنجر لئے نکل رہا ہے اور پھر ہم مکان کے اندر جا کر ایک تازہ ذبح کی ہوئی لاش دیکھیں تو باہر نکلنے والے شخص کو قاتل سمجھیں گے۔ اگر اس قدر قرائن مل جائیں اور دیگر شہادات نہ ملیں تو مذکورہ شخص کو مجرم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

موطا امام مالک میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے سنا کہ رجم اللہ کی کتاب میں حق ہے اس شخص پر جو زنا کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ محصن ہو (یعنی اس کا نکاح ہو چکا ہو اور وطی کر چکا ہو) تو وہ رجم کیا جائے گا بشرطیکہ زنا ثابت ہو چار گواہوں سے یا عورت پر حمل سے یا مرد اور عورت دونوں پر اقرار سے [۳] تو گویا اگر عورت کا حمل ہو اور اس نے شادی نہیں کی ہو تو یہ اس کے زنا پر سب سے بڑی دلیل ہے اور اس کو رجم کیا جائے گا۔

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ حدیث کے لفظ شاہدان کے معنی یا تو دو دلیلیں ہیں یا دو شخص یا جوان دو کے قائم مقام ہوں اور دو عورتیں قائم مقام ایک مرد کے ہیں تاکہ ایک بھول نہ جائے۔ اور ادائیگی شہادت کے بارے میں قرآن و سنت میں یہ کہیں نہیں کہ جب تک دو عورتیں نہ ہوں شہادت مانی ہی نہ جائے۔ اور دو عورتیں گواہی میں لی جائیں اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ ہی نہ کیا جائے [۵]

---

[۱] اعلام الموقعین ص ۹۱ [۲] الہدایہ جلد ۲ ص ۲۸-۲۷ [۳] موطا امام مالک (اردو ترجمہ) ص ۵۹۸ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور [۴] اعلام الموقعین ص ۷۶-۷۰ [۵] المبسوط للامام السرخسی جلد ۸ ص ۱۱۶

اس ضمن میں حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت والی حدیث بھی قابل غور ہے۔ اس حدیث کا واقعہ یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک اونٹنی خریدی۔ اور اس کو قیمت ادا کر دی۔ پھر اعرابی بعد میں منکر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ حضور نے پوری قیمت ادا نہیں کی۔ اور اس پر گواہ کا مطالبہ کیا۔ جس پر حضورؐ نے فرمایا کون میرا گواہ ہو گا۔ تو اس پر خزیمہ بن ثابت نے کہا کہ میں آپ کے لئے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے قیمت ادا کی ہے۔ تو حضورؐ نے اس سے پوچھا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو حالانکہ تم وہاں حاضر نہیں تھے۔ اس پر خزیمہ نے کہا کہ جب ہم آپ کو ان خبروں میں سچا مانتے ہیں جو آسمانی ہیں تو پھر ہم آپ کو اونٹنی کی قیمت ادا کرنے میں کیوں نہ سچا مانیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے لئے خزیمہ گواہی دے وہ کافی ہے[1]

اس حدیث سے دو باتیں نکلتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب ایک ہی گواہ ہو اور اس کی سچائی میں کوئی شک نہ ہو تو صرف اسی ایک گواہی پر فیصلہ دیا جائے گا اور دوسری بات یہ کہ صرف حالات اور قرائن سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس پر بھی گواہی دینا کافی ہے خواہ اصل مجرم یا اصل واقعات کو دیکھا بھی نہ ہو۔

فقہا کا اجمالی طور پر اس بات پر اتفاق ہے کہ بوقت حاجت ایسی شہادتیں قبول کی جا سکتی ہیں۔ جو اور موقعوں پر قبولیت کے قابل نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان کی تفصیل میں ان کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بوقت سفر ضرورت کے وقت دو غیر مسلموں کی گواہی وصیت کے معاملے میں معتبر مانی ہے۔ یہ تنبیہ ہے اس جیسی اور اس سے زیادہ ضرورت کے وقت کی ایسی اور اس سے زیادہ حق کو واضح کر دینے والی چیز کے قبول کر لینے کی۔ جیسے کہ صرف عورتوں کی گواہی ان معاملات میں قبول کر لی جائے گی۔ جہاں صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ یا ان سے متعلق بات ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح، بیاہ، حمام، حیض، نفاس وغیرہ۔ اسی طرح صحابہ اور فقہا مدینہ کا عمل یہ بھی رہا ہے۔ کہ جب بچے آپس میں ایک دوسرے کو زخمی کر دیتے تو ایسے معاملات میں صرف بچوں کی گواہی قبول کرتے تھے۔ کیونکہ عموماً ان کے کھیل کود میں بڑے آدمی شریک نہیں ہوتے گویا ان صورتوں میں وہ دو مرد بالغ عادل کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کے علاوہ اگر حق کسی طرح سے بھی ظاہر ہو تو اس کو لے لیتے تھے تا کہ حصول انصاف ممکن ہو۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے۔ "شارع علیہ السلام نے حفظ حقوق کا دارومدار صرف دو گواہوں پر نہیں رکھا۔ نہ خون کے معاملے میں نہ مال کے مقدمے میں۔ نہ عصمت کے معاملے میں نہ حد کے بارے میں۔ بلکہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے حمل کی وجہ سے حد زنا جاری کی۔ اور صرف بو پا کر شراب کی حد لگائی۔ اس طرح شراب کے قے کرنے پر بھی شراب کی حد جاری کی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ چور کے قبضے سے چوری کا مال جوں کا توں برآمد ہو جائے اور وہ چوری سے بدنام بھی ہو۔ تو اس کو حد لگائی جائے۔ بلکہ یہ حمل اور شراب کی بو سے زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ حمل میں ہو سکتا ہے کہ عورت پر جبر کیا گیا ہو یا شبہ کی وطی سے حمل ٹھہر گیا ہو۔

---

[1] المبسوط الامام السرخسی جلد ۸ صفحہ ۱۱۶

اسی طرح شراب کی بو، مال مسروقہ کی برآمد سے بہت ہلکے درجے کی چیز ہے۔ دیکھئے خلفاء وصحابہ نے ایسے دوراز کار شہادت کی طرف التفات تک نہیں کیا۔[1]

تو گویا سچی خبر کو رد کر دینا بھی حق کو جھٹلانا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے اس کتاب میں لکھا ہے:۔

"جب کوئی شخص اپنی کسی چیز کے وہ اوصاف بیان کرے جو اس میں ہیں اور اس کے پاس سے یہ چیز کھوئی گئی ہو اور دوسرے کو ملی ہوئی ہو۔ تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس کو واپس کر دے۔ پس اس شخص کا اپنی چیز کے اوصاف کا وضاحت سے بیان کرنا ہی دو گواہوں جیسا ہے اس سے اس کی سچائی اور اس کے دعوے کی صداقت معلوم ہو جاتی ہے اور یہی بینہ ہے۔[1]

مسلمانوں سے حدود کو ممکن حد تک (شبہات وغیرہ کے ذریعے) دور کرنے کے بارے میں جو احادیث پائی جاتی ہیں ان کو حکم واجب قرار دے کر خواہ مخواہ اور دوراز کار شبہات پیدا کئے جاتے ہیں۔ من جملہ ان کے یہ شبہ بھی ہے کہ شہادت کا مقررہ نصاب پورا نہ ہو تو جرم ثابت نہیں ہوتا۔ حالاں کہ قرآن وسنت کی رو سے اقرار، قسم اور قرائن شہادتوں کو مقررہ نصاب کا ایک حصہ قرار دینا عین منشائے خداوندی ہے۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ متذکرہ احادیث کی اسناد ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ بہرحال صحیح احادیث کی بنیاد پر بھی شہادت میں مبالغہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔[2]

کبھی کبھی واقعاتی شہادت فیصلہ کن ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر طبی معائنہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی عورت سے مباشرت کی گئی ہے تو واقعاتی تانے بانے میں جو شخص بھی پھنس جائے وہی سزا کا مستحق ہے۔ اسلام کے تعزیراتی نظام کا مقصد یہ نہیں کہ کسی کو سزا نہ ہو سکے بلکہ یہ ہے کہ کوئی شخص ظن غالب کی حد تک جرم میں ملوث پایا جائے تو اسے سزا دی جائے تاکہ وہ اس جرم کا اعادہ نہ کرے اور دیگر لوگ اس سے عبرت پکڑ کر جرائم سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اگر لوگوں کو یقین ہو کہ وہ مختلف شہادت پیدا کر کے سزا سے بچ جائیں گے تو وہ اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیں۔

تفتیش جرم کے بہت سے طریقے ہیں اور زمانہ قدیم سے ان پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ ان میں گواہی اور اقرار کے علاوہ دوسرے محرکات سے جرم کو ثابت کرنا بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ ساتھ قرائن کی شہادت کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ اور اب بہت سے امور میں اس پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ طبی اصول قانون ہاتھ کے نشانات اور تحریر کی شناخت کے فنون کو جرائم کے ثبوت اور حقوق کے اثبات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ واقعات کا فطری بہاؤ اور انسان کے طبعی، زمانی اور مکانی حدود وقیود بھی قرائن کا کافی مواد مہیا کرتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سب امور ایسے اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ ان پر غور وفکر سے اصل جرم کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی چیز اپنے اصل حقدار کو دی جا سکتی ہے۔

---

[1] اعلام الموقعین ابن القیم جلد ۲ ص ۱۵ [2] جامع ترمذی کتاب الحدود

نسائی نے علقمہ بن وائل سے روایت نقل کی ہے جو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت جو صبح سویرے نہایت تکلیف سے مسجد جا رہی تھی کہ ایک آدمی نے اندھیرے میں آ کر اس کے ساتھ زنا کر لیا۔ اتنے میں دوسرا آدمی وہاں سے گذر رہا تھا تو اس عورت نے اس سے مدد طلب کی جس پر وہ زانی بھاگ گیا۔ اور دوسرا آدمی اس زانی کے پیچھے بھاگا۔ اتنے میں اور لوگ بھی وہاں سے گذرنے لگے تو اس عورت نے ان سے مدد طلب کی۔ تو انہوں نے اس دوسرے آدمی کو جو اصل زانی کی تلاش میں عورت کی مدد کر رہا تھا وہاں پایا اور اس کو اس عورت کے پاس پکڑ کر لے آئے۔ اس آدمی نے عورت سے کہا کہ میں وہ ہوں جو تمہاری مدد کے لئے اس زانی کی تلاش میں ہوں جو بھاگ گیا ہے۔ بہر حال ان کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو عورت نے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے مجھ سے زنا کیا اور ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم نے اس کو نہایت جلدی میں پایا۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ میں تو اس کے اصل زانی کے بارے میں اس کی مدد کر رہا تھا کہ اتنے میں ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔ عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے یہی وہ آدمی ہے جس نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کراؤ۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا " اس کو رجم مت کرو۔ دراصل میں نے اس عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ گویا زنا کا اعتراف کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو معاف کر دیا۔ اور آپ نے عورت سے کہا کہ اللہ نے تجھے معاف کیا " اور جس شخص نے عورت کی مدد کی تھی اس کو اچھے الفاظ میں خطاب فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے کہا جس نے اعتراف کیا ہے اُسے رجم کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور فرمایا۔ اس نے توبہ کی ہے[۱]

اس حدیث سے بھی قرائن کی شہادت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ظاہری احکام ظاہری علامتوں کے تابع ہوتے ہیں اور ظاہری ادلہ گواہ ہیں یا اقرار اور یا احوال اور قرائن کی گواہی اور بینہ بذات خود حد کو واجب نہیں کرتی بلکہ حد کی ربط اور تعلق بینہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ مدلول کا دلیل کے ساتھ اس لئے اگر کوئی مساوی یا زیادہ مضبوط دلیل موجود ہو تو شریعت اس کو لغو نہیں کرے گی۔ اور اگر شہادت قرائن اصل واقعہ کے خلاف نکلی تب بھی اس کی دلیل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ کبھی کبھی گواہوں اور اقرار کی صورتوں میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

اس طرح قسامہ (نامعلوم مقتول کے قاتل کے بارے میں لوگوں سے قسمیں لینے) کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی محلہ یا گھر کے قریب کوئی مقتول پایا گیا تو اگر وہاں کسی خاص آدمی میں قتل کرنے کی نشانی ہو یا مقتول کا وہاں کسی خاص آدمی سے ظاہری دشمنی ہو تو پھر پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں گی جس میں وہ یہ قسم کھا کر کہیں کہ نہ ہم نے اس کو قتل

---

[۱] تلک حدود اللہ ابراہیم احمد وقفی صہ ۴۴ مطبوعہ دار العلوم۔ اسلام آباد

کیا۔ اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے اور جب وہ قسمیں کھائیں تو مدعا علیہ سے قصاص لیا جائے گا (اس خاص آدمی سے جس میں یا ظاہری نشانی قتل تھی یا وہ مقتول کا ظاہر دشمن تھا) تو گویا امام مالک نے قسامہ میں شہادت قرائن ہی پر قصاص کو لازم کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شہادت قرائن حدود و قصاص میں بعض اوقات مؤثر اور معتبر ہو جاتی ہے۔[۵]

آج کل لوگ انتہائی مہذب ہو چکے ہیں۔ اس لئے نہ تو وہ گواہی دیتے ہیں اور نہ اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے حصولِ انصاف بہت ہی مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا موجودہ وقت میں شہادت قرائن کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور اس کا دائرہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے تاکسی طرح مجرم سزا سے نہ بچ جائے۔ اس کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے اگرچہ فقہ حنفی۔ شافعی اور مالکی میں شہادت قرائن میں کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ لیکن ان کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اگر کسی اور ذریعہ سے جرم ثابت نہیں ہوتا اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جرم فلاں نے کیا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ بلکہ انہوں نے زیادہ زور پہلے دو یعنی گواہ اور اقرار پر دی ہے اس لئے فقہ حنبلی کی اس رائے پر اتفاق اور سوچ بچار کی ضرورت ہے اور قرائن کی شہادت حدود و قصاص اور ہر قسم کے جرائم میں معتبر مانی جانی چاہئے۔ تاکہ معاشرہ ہر قسم کے جرائم سے محفوظ رہے۔

---

۵ بدائع الصنائع للکاشانی جلد ۷ ص ۲۸۶

شمائل نبوی بقیہ از صفحہ ۲۷۔

نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ پردیسی تو اس ڈھنگ و آداب کو نہیں سمجھتے۔ باہر سے کھڑے ہو کر زور سے پکارتے یا محمد فلاں مسئلہ کیسا ہے۔ اور کوئی آکر پوچھتا کہ سیدھی سادی باتیں بتا دو۔ لمبی چوڑی نہیں۔ بس دو جملے۔ دور دراز سے آیا ہوں۔ ایسی باتیں کہ میں اس کو حفاظت سے رکھ لوں اور اس پر عمل کر سکوں۔

تو ایسے ایسے سوال کرتے تھے۔ کوئی دیہاتی آتا۔ اس انداز میں تو اب صحابہ خوش ہو جاتے کہ ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن آج انہوں نے ہماری معلومات اور علم میں نئی باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ تو یہ بھی حفاظت غریب ہے۔ غریب غریب کو نہیں کہتے۔ غریب کے معنی ہیں پردیسی مسافر مہمان کو غریب کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضورؐ کے اخلاق عالیہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس حدیث کے کچھ حصے اور ہیں۔ وہ بڑے عجیب ہیں۔ یہ روایت کئی ٹکڑوں میں ہے ایک ٹکڑا ابتداء میں ہے۔ حضورؐ کا عجیب انداز ہے اس میں بھی۔ وہ بھی حضرت حسنؓ کی یہی روایت ہے حضرت علی سے۔ انشاء اللہ کسی فرصت میں اس کی تشریح بھی کی جائے گی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

لئے داخلہ لیا۔ دورۂ حدیث شریف سے ۱۳۹۹ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد آپ افغانستان تشریف لے گئے اور حکومت ترہ کئی کے خلاف ملک میں کام شروع کیا۔

۱۴۰۱ھ کو جب آپ حصولِ سند کے لئے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو راقم کے ساتھ دوران گفتگو یہ انکشاف کیا کہ "جب میں یہاں سے فارغ ہوا تو افغانستان چلا گیا۔ اور وہاں حکومت کے خلاف جہاد میں شریک ہوگیا۔ جب مسلح مزاحمت شروع ہوئی تو میں بھی روسی الحاد کے خلاف نبرد آزما ہوا۔ بعد ازاں ہمارے چند ساتھیوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ جن میں میں بھی شریک تھا۔ اور ہم سب کابل کے رسوائے زمانہ جیل مرنگ میں دھکیل دئے گئے۔ وہاں ہمیں وحشتناک اور وحشت انگیز تکالیف پہنچائی گئیں۔ ہمارے چند ساتھی تو یہ صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور جامِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مجھے بھی بہت مارا پیٹا اور بجلی کے کرنٹ تک لگائے گئے حتیٰ کہ میرا ایک ہاتھ بے حس و حرکت اور ناکارہ کر دیا گیا۔ مگر اب اللہ کے فضل و کرم سے میرا یہ ہاتھ ٹھیک ہے۔ اور بندہ کو پیٹ پر وہ نشانات دکھائے جو کابل جیل میں اذیتوں کے دوران زخم ہوئے تھے۔ جیل کے حکام مجھ سے خفیہ راز معلوم کرتے۔ مگر میں خاموش رہتا اور انکار کرتا۔ جب انہیں یقین ہوگیا کہ یہ ہمارا مخالف نہیں تو مجھے رہا کر دیا۔

حرکت انقلاب اسلامی افغانستان کے جبہہ علینگار میں بحیثیت عمومی کپتان کے آپ کی خدمات سپرد کی گئیں ولایت لغمان پر جب روسیوں کا ایک بڑا جن میں ٹینک بکثرت تھے حملہ آور ہوا تو مولوی اصلاح الدین شہید اور ان کا دست راست محمد انور اپنے گروپ سمیت مقابلہ کے لئے نکلے تو متواتر گیارہ گھنٹے تک یہ مقابلہ جاری رہا۔ نتیجۃً دشمن کے چار ٹینک تباہ ہوئے اور سات روسی جن میں تین افسرانِ اعلیٰ بھی تھے جہنم رسید ہوئے۔ اور بہت سا اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ آیا۔

تحصیل علی شنگ میں روسیوں کا ایک بہت بڑا حملہ پسپا کر دیا گیا۔ نتیجہ میں تیرہ ٹینک راکٹ لانچر کے ذریعے تباہ ہوئے۔ اکانوے (۹۱) روسی بھی مُردار ہوئے۔ اور بیس افراد افغان فوجی کلاشنکوف بمعہ اسلحہ مجاہدین کے آگے ہتھیار ڈال دئے — اسی طرح اور بھی اس شہید کے مجاہدانہ کارنامے ہیں۔

افغان تقویم کے مطابق آپ میزان کی سات تاریخ ۱۳۶۰ خروٹی کے مقام پر مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو شہید کر دئے گئے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

8-5-77

Asiatic

☆ نائیجیریا میں قادیانیوں کی ریشہ دوانیاں

☆ تھائی لینڈ میں پاکستانی سفارتخانہ اور غیر اسلامی لٹریچر

افکار و تاثرات

(قارئین بنام مدیر)

نائیجیریا میں قادیانیوں کی یلغار اور ہماری غفلت

یہاں قادیانیوں کی سرگرمیاں بہت تیز ہوگئی ہیں سوء اتفاق سے قادیانی مبلغ سب پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کا یہ عالم ہوچکا ہے کہ نائیجیریا کے بڑے شہر کانو (KANO) میں قادیانیوں کا بہت بڑا کلینک اور سیکنڈری سکول ہے۔ ہمارے پاکستانی مسلمانوں کے اکثر و بیشتر بچے اسی سکول میں داخل ہیں۔ جب کہ والدین کو دوسرے سکولوں میں داخلہ دلانا زیادہ سہل ہے۔ باوجود پاکستانی نام نہاد مسلمان مستقبل کے اس اژدھا کے اثرات بد سے اس طرح بے خوف ہیں جس طرح ۷۴ء سے پہلے کی حالت تھی۔ یہ تو علمائے حق کی مساعی اور خلوص دین کا نتیجہ تھا کہ ۷۴ء میں اللہ نے سرخروئی بخشی۔ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد پاکستان میں کیوں ان کی اس قدر نشر و اشاعت ہو رہی ہے۔ آئین کا حصہ بن کر بھی یہاں نائیجیریا لاگوس میں پاکستانی سفارت کاران کے خلاف تبلیغی مواد تقسیم کرنے سے گریزاں رہی ہے۔ اور یہاں کے اخبار سنڈے ٹائمز باقاعدہ ہر اتوار کو دو صفحے ان کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بدستور اپنے آپ کو احمدیہ موومنٹ ان اسلام کے نام سے پھلنے پھولنے کے لئے کوشاں ہیں۔ موجودہ سربراہ مملکت تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ وائس آف احمدیت کے لئے الگ ریڈیو اسٹیشن کھولنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس خط کے ساتھ اخبار کا وہ حصہ جو ان کی اشاعت کے لئے مخصوص ہے ارسال کر رہا ہوں کہ آپ خود اندازہ لگا سکیں کہ کس طرح اس خفیہ آتش فشاں میں اندر ہی اندر اسلام کے خلاف لاوا پک رہا ہے اور ہم مسلمان خواب خرگوش میں پڑے ہیں۔

م۔ ب۔ باوچی۔ نائیجیریا۔

تھائی لینڈ کا پاکستانی سفارت خانہ اور منکرین حدیث

ہم نے تھائی لینڈ میں عام مسلمانوں کے استفادہ کے لئے ایک دارالمطالعہ قائم کیا۔ اسلامی ممالک کے سفارت خانوں سے علمی و تبلیغی لٹریچر کی اپیل کی۔ ایران اور مصر وغیرہ نے رسائل اور اخبارات بھیجنے شروع کئے۔ پاکستانی سفارت خانہ سے بار بار مطالبہ کرتے رہے تو انہوں نے پانچ چھ چھوٹے چھوٹے کتابچے ارسال کئے ان میں ایک اردو کا باقی انگریزی زبان میں۔ اردو کتابچہ کا نام انتہائی اچھا لگا یعنی "حسن کردار کا نقش تابندہ" مصنف

مسٹر غلام احمد پرویز اور ناشر ادارہ طلوع اسلام لاہور ہے۔ مگر کتاب پڑھی تو خرافات سے بھری ہوئی لگی۔ خصوصاً علمائے کرام اور علمائے دیوبند کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ میں اقتباس نقل کرنے کی بجائے آپ کی توجہ اس کتاب کی طرف مبذول کرا رہا ہوں۔ اگر یہ کتاب واقعی ناکارہ ہے تو پھر وزارت خارجہ پاکستانی سفارت خانوں کے ذریعہ ایسے لٹریچر کو کیوں پھیلایا جارہا ہے۔ ان اداروں میں ایسے خیالات رکھنے والے عناصر نے رسائی حاصل کی ہے۔ جو قرآن و سنت کے خلاف حکومت کے معتبر ذرائع سے پرچار کر رہے ہیں۔

(الحق کا ایک معتمد وقائع نگار وفاری مقیم تھائی لینڈ)

الحق جی ہاں یہ مشہور رسوائے زمانہ منکر حدیث کا کتابچہ ہے۔ باقی لٹریچر جس کی نشاندہی آپ نے کی ہے اسی طرح مخدوش ہے۔ پاکستانی سفارت خانے کی اس جہالت یا پھر اسلام دشمنی کی جتنی بھی مذمت کی جائے توکم ہے۔ ملک کے مسلمہ آئینی اساس حدیث اور سنت نبوی کے خلاف ایسے غدارانہ سرگرمیوں میں ملوث افراد کی جگہ سرکاری عہدوں کے بجائے کوئی زندان ہونا چاہیے تھا۔ باہر کے پاکستانی دردمند مسلمان مخناطرہ کر نشاندہی کرتے رہیں۔ ممکنہ اقدامات میں کوتاہی نہیں ہو گی۔

مصائب نبوی صلی | الحق کے اس کالم میں ایک صاحب کی مصائب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقل کتاب مرتب کرنے کی تجویز آئی تھی۔ اطلاعاً عرض ہے کہ اس عنوان پر مفتی ظفیر الدین صاحب دیوبند کی کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

اعجاز احمد سنگھانوی۔ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی۔

تعارف و تبصرہ کتب

تبصرہ نگار :۔ مولانا حافظ محمد عبدالقدوس فاضل دیوبند
(رکن وفاقی کونسل) پشاور یونیورسٹی
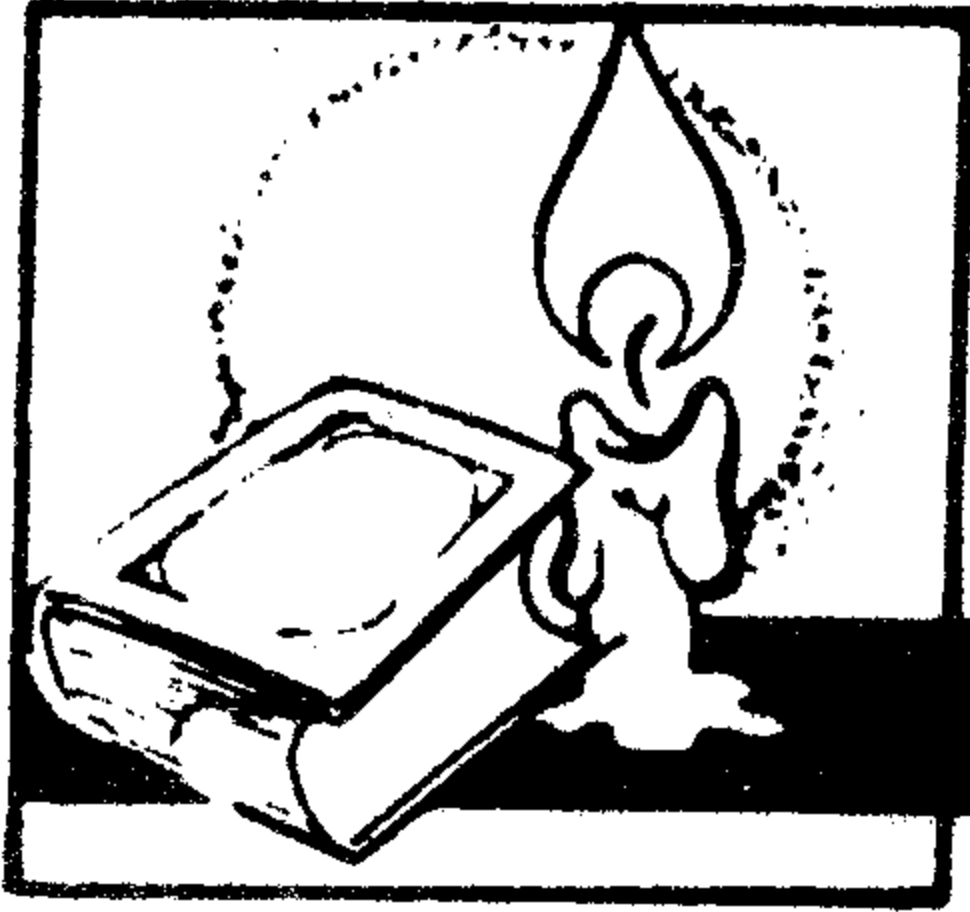
نقشِ دوام

نقش دوام ۔ سوانح وسیرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
مصنف ، مولانا انظر شاہ استاد دارالعلوم دیوبند
ناشر :۔ المکتبۃ البنوریہ ۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۔ صفحات ۴۶۴ ۔ قیمت درج نہیں ۔

محدث ، حافظ ، حجۃ اللہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سوانح عمری ان کے صاحب زادہ مولانا انظر شاہ مسعودی نے مرتب فرمائی ہے ۔

حضرت شاہ صاحب کی حیات وسوانح کا جائزہ قلم بند کرنا کسی صاحب علم کے لئے ممکن نہیں ۔ انہوں نے جو محقق تلامذہ اپنے پیچھے یادگار چھوڑے تھے ان کی صحبت میں رہ کر ہی حضرت شاہ صاحب مرحوم کے کمالات کی جھلک محسوس کی جا سکتی تھی ۔ تاہم ان کی سوانح قلم بند کرنے اور ایک جامع کتاب میں ان سے متعلق معلومات فراہم کرنے کی ذمہ داری ان کے تلامذہ پر عائد ہوتی تھی اور راقم الحروف کے خیال میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس فریضہ سے بہ وجہ احسن عہدہ برآ ہو چکے ہیں ۔ اور ان کی تصنیف " نفحۃ العنبر " نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمی سے متعلق کافی معلومات بہت اچھے پیرایہ میں بہم پہنچاتے ہیں ۔ چونکہ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور عربی بھی ایسی کہ عربی ادب کا ماہر صاحب ذوق ہی اس سے استفادہ کر سکتا ہے ۔ عام دینی حلقے اس سے مستفید نہ ہو سکتے تھے ۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اردو داں اور اردو خواں حضرات کے لئے بھی اردو زبان میں کوئی متبادل تصنیف مہیا کی جائے ۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے متعدد دوسرے اہل قلم نے بھی سعی فرمائی تھی ۔ مولانا انظر شاہ مسعودی کی زیر تبصرہ تصنیف اس سلسلے کی ایک تازہ اور اہم کڑی ہے ۔ کتاب کا اچھا تعارف حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کتاب کے مقدمہ (نقوش و تاثرات) میں کر دیا ہے ۔ جس کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں حضرت مہتمم صاحب فرماتے ہیں :۔

حضرت الاستاذ الاکبر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی نہ کسی تعارف کی محتاج ہے نہ کسی تاریخ کی دست نگر ان کی حقیقی تاریخ ان کے تلامذہ اور تاثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت دائرہ و سائر کا نمایاں اور چشم دید ہستی ہے۔ حضرت مرحوم کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا۔ تو ان کا عمل سلف صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا علم، حافظہ، تقویٰ طہارت اور زہد و قناعت مثالی تھی۔ درس میں تبحر و تفقہ دونوں یکساں چلتے تھے۔

درس حدیث فقط فن حدیث تک محدود نہ تھا۔ بلکہ جمیع علوم و فنون کے حقائق پر مشتمل تھا بلاشبہ مرحوم پہ اردو عربی میں بہت کافی لکھا جا چکا ہے (اور اس ضمن میں "نفحۃ العنبر" "علمائے حق" "نگارستان کشمیر" "تاریخ اقوام کشمیر" "حیات انور" "مولانا انور شاہ اور ان کے علمی کارنامے" کا تذکرہ کیا گیا ہے) عزیز محترم مولانا انظر شاہ استاد دار العلوم دیوبند نے اپنی اس تازہ تصنیف میں ان واقعات و حالات کا امکانی حد تک احصا کیا ہے۔ جن سے حضرت مرحوم کی عائلی و قبائلی علمی و عملی اور خلوت و جلوت کی پاکیزگی سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے یہ مکمل بھی ہے، جامع بھی اور مستند بھی ہے۔"

حضرت مولانا محمد طیب صاحب زید مجدہم نے اس کتاب کے پانچ امتیازات کا بھی خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

اولاً یہ کہ مصنف نے ان تمام شخصیات کا تعارف بھی شگفتہ انداز میں کرایا ہے۔ جن کا تذکرہ کسی نہ کسی عنوان سے حضرت کی سوانح کے ذیل میں آگیا ہے۔

ثانیاً تردید قادیانیت سے متعلق حضرت کے مضامین و مقالات کے اہم اقتباسات اس کتاب میں اس طرح جمع کئے گئے کہ اس سے قادیانیت سے متعلق اکابر دار العلوم کا نقطۂ نظر مدلل طور پر سامنے آگیا ہے۔

ثالثاً جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ پشاور ۱۹۲۷ء کے خطبہ صدارت کے اہم اقتباسات درج کئے گئے ہیں جن کے بعد اس اہم اور نایاب خطبہ کی تلاش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

رابعاً حضرت شاہ صاحب کے فارسی و عربی کلام کا غالب حصہ بھی اس تالیف میں موجود ہے۔

خامساً سب سے اہم یہ کہ حضرت شاہ صاحب کی بلند پایہ علمی تحقیقات، حدیث، تفسیر، فقہ و معانی اور علوم متداولہ میں آپ کے نادر علوم، معارف اور منفردانہ اجتہادی اقوال بھی آپ کی تمام تصانیف سے اخذ کرکے اس طرح پیش کر دیے ہیں کہ اردو دان حلقہ بھی حضرت مرحوم کی علمی ژرف نگاہی سے قریبی واقفیت حاصل کر سکے گا۔

راقم الحروف حضرت مہتمم صاحب کے اس جامع جائزہ پر مزید اضافہ یہ کرنا چاہتا ہے کہ کتاب مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

۱. سوانح از ص ۲۰ تا ص ۴۲ - ۲. شمائل و خصائل ص ۴۳ تا ص ۱۴۴ - درس کی خصوصیات ص ۱۴۵ - ۱۸۰ - فتنہ قادیانیت سے متعلق خدمات ص ۱۸۹ تا ص ۲۰۰ - سیاسی زندگی ص ۲۰۲ تا ۲۴۶ - شعرگوئی ص ۲۴۷ تا ۲۹۳ - تصنیفات و تالیفات ص ۲۹۴ تا ۳۲۲ - تحقیقات و تفردات ص ۳۲۳ تا ۴۵۲ - اولاد و احفاد ص ۴۵۳ - دیوبند کا مکتب فکر ۴۵۴ - ۴۵۷

تحقیقات و تفردات کا باب بہت وسیع ہے اور ایک سو تیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے - اور قرآن کریم کی تکرار مضامین - ربط آیات، ناسخ منسوخ - سلیمان علیہ السلام اور سحر - خلافت آدم - خاتم النبیین - ذوالقرنین و یاجوج و ماجوج - نزول عیسیٰ - تواتر کے درجات اربعہ - زکوٰۃ - تحویل قبلہ - رویت باری - مباحث ایمان - برزخ - دیانت و قضا میں فرق اور مناط سے متعلق ابحاث ثلاثہ وغیرہ موضوعات سے متعلق شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تفردات پیش کئے گئے ہیں -

تبصرہ کی تنگنائے اجازت نہیں دیتی ورنہ اس اہم علمی باب کے دل آویز نکات کے صفحات نقل کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ اس لئے بھی کہ مصنف کو اللہ تعالیٰ نے مشکلات کو سہل تعبیر کے ذریعہ سمجھانے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے اس کی بدولت یہ مسائل و نکات عام فہم ہو گئے ہیں -

اس باب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اکثر بلکہ تمام مقامات پر شاہ صاحب کے فوائد کو عربی زبان سے منتقل کر کے حذف و اضافہ کے ساتھ اپنی ادبی اردو کا دلکش لباس پہنایا ہے -

مثال کے طور پر علامہ رشید رضا مدیر المنار کی تشریف آوری کے موقع پر حضرت شاہ صاحب نے ایک فاضلانہ تقریر عربی زبان میں فرمائی تھی - مصنف نے یہ تقریر اردو زبان میں قلم بند کی ہے اور پیرایہ تعبیر حسب ذیل ہے :-

حضرت شاہ صاحب کی عربی تحریر

اسنادنا فی الدین متصل بالصدر الکبیر والبدر المنیر والامام الشہیر الشیخ الاجل ولی اللہ بن عبد الرحیم الفاروقی الدہلوی - حال الشیخ اشہر من ان یذکر فقد شرقت تصانیفہ وغربت - لکن بعض احوال الشیخ یحتاج الی اخبار شفاہیۃ و واقعات تلقیتہا من مشائخنا

(نفحۃ العنبر ص ۳)

مصنف کی اردو تعبیر

ہم دینی مسائل و اسلامی نقطۂ نظر میں ہندوستان میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم فاروقی دہلوی رحمہم اللہ سے ذہنی و علمی روابط استوار کئے ہوئے ہیں - ہمارے امام حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف عالم اسلام کے ہر گوشہ میں پہنچ چکی ہیں - اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کے مرغزار سب کے لئے دعوت نظارہ ہیں لیکن پھر بھی امام ہمام کے بعض احوال و سوانح ایسے ہیں جو ہم نے اپنے ثقہ اکابر سے سنے اور جو شاہ صاحب کی عام سوانح میں موجود نہیں

ان سوانحی نشیب و فراز پر اطلاع کے بغیر شاہ صاحب کی
ہمہ گیر شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کے گوشے
واضح نہیں ہوتے۔ اس لئے مقصد کو قریب تر کرنے کے لئے
میں مجبور ہوں کہ شاہ صاحب کی ابتدا و انتہا پر کچھ عرض
کروں" (نقش دوام صـ ۴۴۸)

اس مترجمہ بالا اقتباس میں بظاہر اردو تعبیر کی آخری (بین الواوین) عبارت مصنف نقش دوام کا اضافہ ہے، الا یہ کہ اصل عربی خطبہ میں (جو دارالعلوم کے اس سال کی روئداد میں مطبوع ہے اور جس کا نسخہ اس وقت راقم الحروف کے سامنے نہیں) اس قسم کی کوئی عبارت موجود ہو اور خود مولانا بنوری نے اختصاراً اسے حذف کر دیا ہو۔

ایک کمی خاص طور پر محسوس ہوئی کہ مصنف نے حضرت شاہ کی تحقیقات و تفردات جہاں سے لی ہیں۔ ان مصادر کا حوالہ نہیں دیا اس لئے ماخذ کی طرف مراجعہ کرنے میں اہل علم کو دقت محسوس ہوگی۔

نقش دوام کا خاص امتیاز اس کی رواں دواں اردو ہے جس میں کچھ جھلک تو مولانا مناظر احسن گیلانی کے طرز کی نظر آتی ہے۔ مگر ادبی چاشنی اس پر مستزاد بھی ہے۔ اس ادبی پیرایہ بیان کی خاطر وہ عربی تراکیب کے پیرایہ کو یکسر بدل دیتے ہیں مثلاً فرماتے ہیں :-

" سیوطی ہی نے یہ عجیب لطیفہ سنایا ہے کہ ایک صاحب قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کے اس مطالبہ میں کہ " اے رب آپ مجھے دکھا دیجئے کہ کس طرح زندہ کرتے ہیں مُردوں کو "
اس عجیب و غریب مفسر کو جب یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ بھلا ابراہیم ایسے پیغمبر جلیل سے احیاء موتیٰ کے بارے میں یہ تردد آمیز سوال کیسے ممکن ہے تو اس کی دور اندیش عقل نے جھٹ پٹ جواب تیار کیا کہ قلبی نامی حضرت ابراہیمؑ کا دوست تھا ابراہیمؑ احیاء اموات کے بارے میں اپنے لئے اطمینان کے طالب نہیں تھے بلکہ اپنے جگری دوست قلبی کے لئے دوست اطمینان کی دریوزہ گری کر رہے تھے والعیاذ باللہ۔ بلکہ سیوطی ہی کے قلم سے یہ بھی سننے میں آیا کہ بعض مفسرین کے خیال میں میتة اور لحم خنزیر بعض مرد اور عورتوں کے نام تھے جن کے تعلق و اختلاط سے مسلمانوں کو روکا گیا تھا "
(نقش دوام ص ۱۴۴)

سیوطی نے یہ بات کہاں ذکر کی ہے۔ مصنف نے چونکہ حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے ماخذ کی طرف مراجعہ مشکل گیا۔ میتة اور لحم خنزیر سے متعلق تو کوئی ایسی روایت راقم الحروف کو نہ مل سکی۔ تاہم قلبی کی تفسیر سے متعلق اتقان کے باب غرائب التفسیر (النوع التاسع والعشرون) میں صرف اتنی عبارت مل سکی۔

"ومن ذالک ماذکرہ ابن فورک فی تفسیرہ فی قولہ ولکن لیطمئن قلبی ان ابراھیم کان لہ صدیق وصفہ بانہ قلبہ ای یسکن ھذا الصدیق الی ھذہ المشاھدہ اذا راھا عیاناً۔ قال الکرمانی وھذا بعید جداً"

اگر نقشِ دوام کے فاضل مصنف نے اسی عبارت کے مفہوم کو اپنی اردو میں پھیلایا ہے تو آپ کی تحریر کی مدرسانہ شان قابلِ داد ہے۔

طباعت کی صحت کا اہتمام خوب ہوا ہے ص ۳۱۲ کے عربی اشعار میں لاتمار کی جگہ لاتماری۔ لم تر کی جگہ لم تری لأناس کی جگہ لاناس کا لکھا جانا یا اس طرح کی ایک آدھ اور غلطی نظر انداز کی جا سکتی ہے۔

"تاہم بعض جملے ہیں جن کا دوسری اشاعت میں بدل دینا مناسب بلکہ ضروری ہے۔ مثلاً مولانا حبیب الرحمن صاحب کے متعلق یہ جملہ "ختم ہوئے تو ان کا کوئی تذکرہ بھی باقی نہ رہا"۔ (ص ۴۸) یا مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حالات میں یا ہادی کے وظیفہ والی روایت (ص ۷۷) یا اس قسم کی عبارت کہ "مناط کی تیسری قسم تنقیح مناط کے نام سے موسوم ہے"۔ (ص ۱۵/۴)

حضرت شاہ صاحب کے اساتذہ میں مصنف کو مولانا عبدالجمیل افغانی کے حالات نہیں مل سکے۔ حضرت مولانا ہمارے صوبے کی عظیم شخصیتوں میں سے تھے۔ ہم ان کے فرزند جلیل مولانا عنایت اللہ طوروی سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے والد مکرم و معظم مرحوم کی سوانح "الحق" کے لئے مہیا فرما کر یہ کمی پوری کر دیں۔ پروفیسر قاری فیوض الرحمن صاحب بھی اپنی کتاب علمائے دیوبند کے دوسرے حصہ میں مولانا امین الحق مرحوم کے حوالہ سے ان کے حالات درج فرمائیں گے۔

صوبہ سرحد میں حضرت شاہ صاحب کے فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا خصوصی اور مولانا لطف اللہ صاحب (جہانگیرہ) کا عمومی تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ مولانا شمس الحق مدظلہ کا نام شمس الدین اور مولانا فضل الرحمن مرحوم کا نام سیف الرحمن درج ہونا سہو قلم ہے۔ اور مولانا عبدالحق نافع اور مولانا محمد ادریس طوروی کے نام کئی دوسرے فاضل تلامذہ کی طرح سہواً رہ گئے ہیں۔

ہم اربابِ علم کو دعوت دیتے ہیں کہ اس حسنِ صورت و معنی سے مزین کتاب سے استفادہ کر کے راہ نمائی حاصل کریں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چل کر اسوۂ رسول کی علمی و عملی پیروی کس طرح کی جا سکتی ہے۔

Adarts

HSU-1/80

(قسط ۲) مولانا سمیع الحق کی وفاقی مجلس شوریٰ میں شمولیت پر پیغامات

سینکڑوں خطوط اور پیغامات میں سے بعض ایک کی چند سطری اقتباسات یہ تعریف و توصیف محض حسن ظن ہے۔ مبارک باد سے بڑھ کر مقام آزمائش ہے ان نیک توقعات، تمناؤں اور دعاؤں میں قارئین الحق بھی شریک ہوں گے تو میرے لئے احتساب نفس اور محاسبۂ احوال میں مزید معاون ہوں گے۔ میں ہر لحاظ سے کم سواد اور بے مایہ گناہگار انسان ہوں۔ بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ پھر بھی اس اعتماد و محبت پر میرا ہر بن مو سراپا تشکر و امتنان ہے۔ فرداً فرداً بھی خط لکھنے کی سعی کی جارہی ہے۔ "س"

○ برادر محترم مولانا الحاج سمیع الحق صاحب زاد مجدہ آپ جیسے مخلص دوست، تجربہ کار اور ہم مشرب کی شمولیت ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے اگر اسلامی باتوں میں حکومت سے تعاون نہ کیا جائے تو آخر انتخاب میں امریکہ کی نقالی اور موجودہ سیاسی گروہ بندی، اور خاص لوگوں کا پوری قوم پر اجارہ داری جو نسلاً بعد نسل ان ہی چند افراد کے ہاتھوں میں ہوگی کونسی اسلامی بات ہے؟ وہ انتخابات جو انگریزی طرز پر بعض لوگ چاہتے ہیں ان کے برے نتائج ہم کئی بار دیکھ چکے ہیں۔ ان سے میرے خیال میں صرف بعض افراد حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور بس۔ ان بے سروپا اور رٹی ہوئی باتوں کا مقصد نہ اسلام کی خدمت ہے اور نہ قومی مفاد کی خیر خواہی۔ صرف حصول اقتدار ہی ہے۔

آپ خود اور آپ جیسے تجربہ کار علماء کرام اور دیگر خیر خواہان انشاء اللہ العزیز ان بیان بازی کے عادی لیڈروں سے زیادہ دین اسلام کی خدمت کرسکتے ہیں اور کریں گے۔ شیخ الحدیث محمد حسن جان مردان

○ ٹی وی پر آپ کا تعارف پڑھا اور سنا۔ دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ حاضر ہوا مگر آپ اسلام آباد میں تھے۔ افتخار الملک۔ رسالپور

○ جنگ کراچی میں نام پڑھ کر بے اختیار خوشی ہوئی کہ اسمبلی میں چند علماء نے شمولیت اختیار کر لی سب کو مبارک باد۔ محمد ادریس ص ب ۱۱۲۴ العین ابوظہبی

○ امید ہے آپ کے نیک مشوروں سے یہ علاقہ دن دونی رات چوگنی ترقی کے مراحل طے کرے۔ دلی مبارکباد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ آپ ملک و قوم اور ملت کی کما حقہٗ خدمت سرانجام دے سکیں۔ محمد عیسیٰ سینئر وائس پریذیڈنٹ نیشنل بنک آف پاکستان

○ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی خدمات اور عوام کی توقعات پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دو دفعہ حاضر ہوا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ میاں بہار الدین جمال کاکاخیل۔ زیارت کاکا صاحب۔

○ دلی اخلاص سے مبارک باد اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ قاضی احسان الحق مہتمم تعلیم القرآن راولپنڈی۔

○ میری جانب سے دلی مبارک باد۔ ساجد حسین
مینیجر تعلقات عامہ پی ایم ڈی سی کراچی۔

○ امید ہے آپ علمی حلقہ کے لئے رہبر اور ترجمان ثابت ہوں گے۔ سب حلقۂ احباب خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا محمد کریم حقانی ڈرگ پشاور

○ حضرت کی زندگی میں یہ شرف ملا۔ اب خدا دین کی خدمت کی توفیق دے۔ مولانا احسان اللہ
مہتمم فیض عام سہراب گوٹھ کراچی۔

○ اللہ اسے خدمت دین وقوم کا ذریعہ بنا دے۔
ماسٹر جمال الدین غوریوالہ بنوں

○ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے عالم اور حق گو کو حق گوئی کا موقع مل سکے گا۔
سمیع الحق ایلئی سوات

○ ہماری حقانی برادری کے لئے خوشی کا مقام ہے۔ ہمارا تعاون آپ کے ساتھ ہے۔
مولانا لطف الرحمان حقانی۔ دوابہ باغی ہند

○ زیادہ شاکر فاخر گردیدم زیرا کہ علماء جسد واحد اند۔ در جہاد افغانستان مشغول ہستم
مولانا مجیب نور مجاہد افغانستان

○ دین متین کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ پر تمام قوم بالخصوص فضلاء ومتعلقین حقانیہ کو فخر ہے۔ امید ہے آپ اس اہم عہدہ سے ملک قوم، دین بالخصوص دینی اداروں کی بھلائی کے لئے موثر کردار ادا کریں گے۔ واللہ ینصرکم ویویدکم۔ مولانا محمد گوہر شاہ مہتمم ومولانا غلام محمد صادق ناظم تعلیمات دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

○ اللہ تعالیٰ خدمت اسلام کی مزید توفیق دے۔
عبدالرحمن ناظم جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

○ اہل حق کی حمایت کسی سیاسی یار واداری پر مبنی نہیں صرف اللہ اور اللہ کے لئے ہوتی ہے اور مخالفت بھی اللہ ہی کے لئے سن کر بہت خوشی ہوئی۔
عبدالقیوم شملوی حضرو اٹک

○ اس پرفتن دور میں اسلام کے صدائے بازگشت تو ایوانوں میں گونج اٹھے گی۔ بھٹو کے آمرانہ وجابرانہ دور تو جناب شیخ الحدیث کی کارہائے نمایاں اظہر من الشمس تھے جس پر ہم حقانی برادری کو جتنا بھی فخر ہو کم ہے۔ گل شیر حقانی جمرود خیبر ایجنسی

○ یہ صرف آپ کے لئے نہیں پوری قوم کے لئے باعث فخر ہے۔ جناب شیخ الحدیث کو مبارک ہو کہ نہ صرف جامعہ حقانیہ ہی بلکہ قومی سطح پر ان کا جانشین فرض ادا کر سکے گا۔ قاری عبدالمالک جنرل سیکریٹری۔
جمعیۃ اشاعت توحید وسنت مظفر آباد آزاد کشمیر

○ اللہ تعالیٰ حق کی آواز آپ کی زبان سے نکالے اور صحیح مجاہد کا منصب اللہ عطا کرے۔ تمام فضلاء حقانیہ مبارک باد پیش کرتے ہیں۔
حسین احمد حقانی تنظیم فضلاء کراچی

○ اسلامی نظام کی قرارداد پیش کرنے پر مبارک باد قبول ہو۔ رافضیت ملک کا مذہبی وسیاسی طور پر زبردست فتنہ ہے۔ اس سلسلہ میں بھی دقیع اور موثر اقدام کرتے رہیں۔ ظفر احمد قاسم دار العلوم

کبیروالا۔ ملتان۔

○ دین حق کی سربلندی کے لئے پہلے اجلاس میں آپ کے کردار پر ہم غور غشتی کے رفقاء جتنی بھی داد دیں تو کم ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ہمت وجرات اور دین حق کے غلبہ کی مساعی کی توفیق دے۔

عبدالحلیم ومفتاح الدین صدر اصلاح ملت غور غشتی

○ سابقہ روایات کے مطابق علماء حق کی صحیح نمائندگی ادا کریں گے۔ الحق میں مولانا عبدالحق صاحب کی اسمبلی میں سرگرمیاں پڑھتے رہتے تھے۔ یقیناً ایسے اکابر کے فرزندان کے شاندار ماضی کو اور شاندار بنائیں گے۔ انشاء اللہ۔ صوفی اللہ بخش سب رس جھاریاں۔ سرگودہا۔

○ حضرت ہزاروی، مفتی محمود اور مولانا عبدالحق کی یاد تازہ کردیں۔ ہماری نظریں آپ ایسے بالغ النظر اور پختہ ذہن لوگوں پر لگی ہوئی ہیں۔
کا مقولہ بہت پرانا ہے خداوند تعالیٰ آپ لوگوں کو جرات عزم واستقلال حق گوئی وحق جوئی کی توفیق نصیب فرماتے۔ آپ ایسے محب وطن و ہمدرد اسلام حضرات کی تعداد اقل قلیل ہے۔ کاش ایک تہائی آپ جیسے علماء اس میں شامل ہوتے تو بجا طور پر امید ہوتی کہ اب منزل قریب ہے میر کارواں اور حدی خوان بدل چکے ہیں۔

مولانا عبداللہ حاصل پور شہر بہاولپور

○ دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ سے ملک وملت کے مفاد میں ایسے کام کرائے جن سے آپ اور آپ کے دوست و احباب دنیا و آخرت میں سرخرو ہوسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اقامت دین کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لائیں گے۔ مولانا پیر محمد اشرف ممبر وفاقی کونسل منصورہ کالونی۔ لاہور

○ اللہ آپ سے اس قومی ادارے میں وہ کام لے جو اکابر علمائے دیوبند سے لیا ہے۔ حافظ عبدالعزیز ہزاروی مارتونگ۔

○ آپ نے جو تقریر مجلس شوریٰ میں فرمائی اسے یہاں پر بہت پسند کیا گیا ہے۔ اور آئندہ بھی توقع ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون کی سعی فرمائیں گے صدر پاکستان بھی جلد اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ میں مبارکباد کے لئے جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ (حضرت) پیر عبدالجلیل زکوڑی شریف۔ ڈی آئی خان

○ اس اطلاع سے مجھے اور دوستوں اور پاکستانیوں کو بے حد خوشی ہوئی سب لوگ مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اس ذمہ داری کے نباہنے کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔ معراج گل۔ الریاض۔ سعودی عرب

○ پہلے اجلاس میں آپ کی مساعی سے بے حد مسرت ہوئی ہماری انجمن کی طرف سے دلی مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ مزید کام کی توفیق دے۔ قاری عبدالحنان انجمن اصلاح معاشرہ پیر آباد کالونی۔ کراچی۔

○ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک و ملت کی خدمت کا موقع دیا۔
عبدالمجید حقانی۔ لونی۔ کلاچی (باقی)

شفیق فاروقی
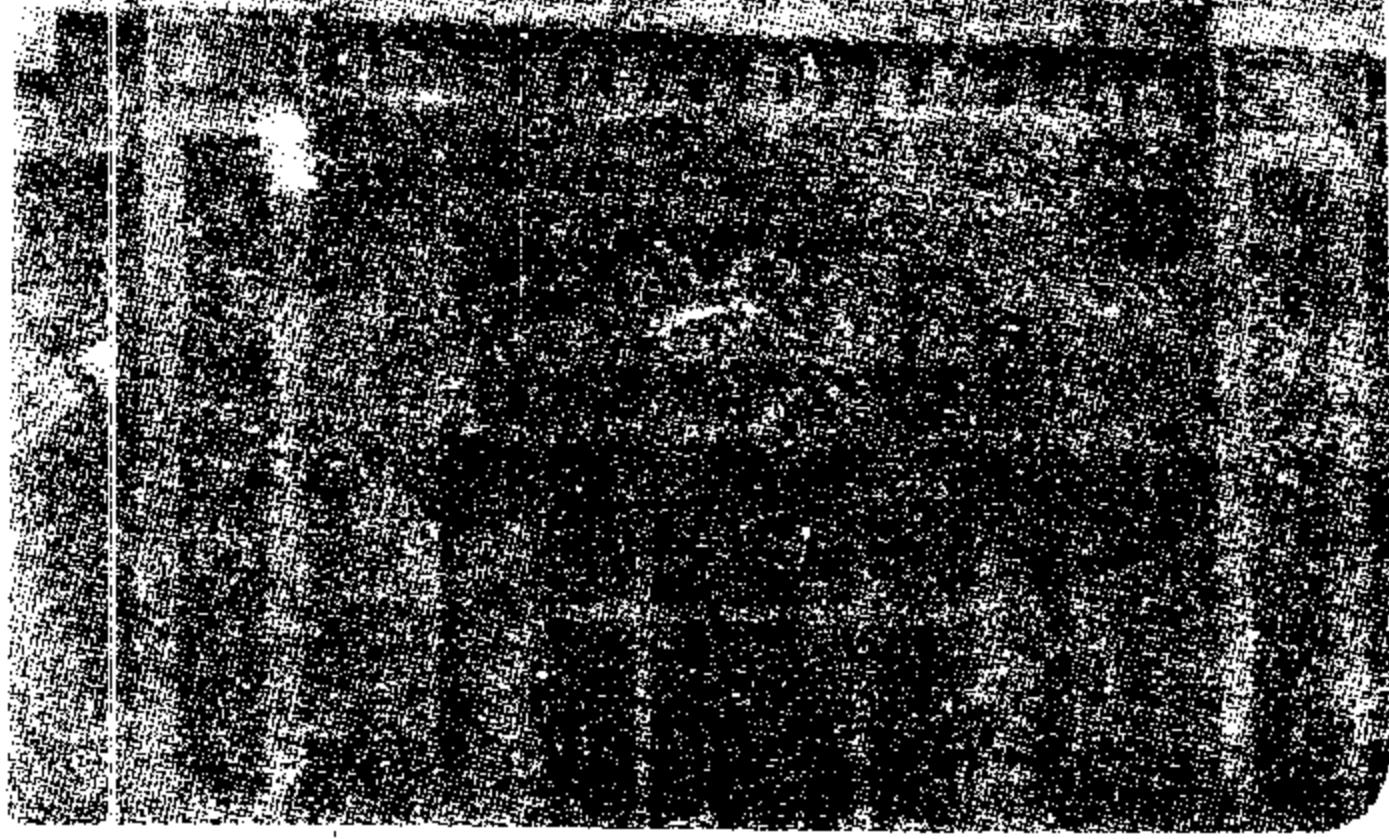
دارالعلوم کے شب و روز

واردین و صادرین | مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلرؒ ۲۹؍نومبر کو دارالعلوم میں قدم رنجہ فرمایا، جس کی تفصیلات الحق میں شائع ہو چکی ہیں۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ کو ایک اور عرب بزرگ کی دارالعلوم میں آمد ہوئی۔ یہ تھے مصر کے شیخ عبدالمغیث محمد صاحب الواعظ العام للقوات المسلحۃ المصریۃ (مصری افواج کے واعظ عام) تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں آمد کے بعد اپنے شہر کا ہمیت دارالعلوم آکر نہایت محظوظ ہوئے۔ بار بار اپنی حیرت و محبت کے جذبات پر مبنی کلمات سے دارالعلوم کو سراہتے رہے۔ نماز ظہر کے بعد مسجد میں طلبا سے خطاب فرمایا۔ دفتر دارالعلوم میں جناب مدیر الحق نے ٹھہرا دیا۔ کتاب الآرا میں اپنے تاثرات ثبت فرماتے ہوئے لکھا وانی اعتقد بانہ فاق الازہر المصری الذی شاع صیتہ فی جمیع البقاع۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ ادارہ اس مصری جامعہ ازہر سے بڑھ کر ہے، جس کا غلغلہ چاردانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ شیخ موصوف شام کے قریب واپس ہوئے

- عرب حضرات پر مشتمل تبلیغی جماعت کے ایک اور وفد نے بھی ستمبر کے اواخر میں سہ روزہ قیام فرمایا۔
- ۲۵؍اکتوبر کو اسلامیہ کالجیٹ سکول اسلامیہ کالج کے طلبہ کے ایک گروپ نے مولانا محمد سراج فاضل حقانیہ کی قیادت میں دارالعلوم کا مطالعاتی دورہ کیا۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث کی زیارت کی۔ اور نصائح سے محظوظ ہوئے۔ طلبہ نے تجوید و قرأت سے بھی حاضرین کو محظوظ کیا۔ گروپ کے سینیئر رکن جناب شمس الرحمان بن مولانا عبدالوہاب کی خواہش پر حضرت مدظلہ نے اپنے قلم سے گروپ کو نصائح پر مبنی آٹوگراف دیا۔
- ۲۶؍اکتوبر کو پنجاب کے ڈسٹرکٹ کونسلوں کے چیئرمینوں پر مشتمل ایک اہم وفد نے دارالعلوم کا معائنہ کیا اور بے حد مسرت ظاہر کی۔
- ۲۵؍دسمبر ۱۹۸۱ کو ممتاز محقق عالم حضرت علامہ خالد محمود صاحب جو انگلینڈ میں مقیم ہیں تشریف لاتے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور بعد میں جناب مدیر الحق سے بیرون ممالک میں مسلک حق کی حفاظت پر تبادلہ خیالات کیا۔

افغان مجاہد رہنما | افغان مجاہدین کے اہم رہنما اور قائدین اور زعما تشریف لاتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں

افغانستان کے ولایت وگر کے موضع چرخ (یعقوب چرخیؒ وغیرہ افاضل اسی کو منسوب ہیں) سے تعلق رکھنے والے حضرت مولانا محمد دین صاحب تشریف لائے جو مقامی جہاد کے امیر بھی عبد عالم محدث اور حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتی مرحوم کے خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے جہاد افغانستان کے سلسلہ میں نصرت خداوندی کے عجیب واقعات سنائے جیسے جہاد افغانستان والے کالم میں نذر قارئین کیا جائے گا۔ دارالعلوم اور حضرت بانی دارالعلوم کے بارہ میں انہوں نے اپنے شیخ و استاذ حضرت محدث غورغشتوی کی ایک روایت نقل کی جسے دارالعلوم کے اس کالم میں محفوظ کرنا ضروری ہے۔

فرمایا مجھے تمام عمر مولانا عبدالحق مدظلہ سے ملنے کی حسرت تھی اس لئے کہ ہمارے شیخ الحدیث نصیر الدینؒ فرماتے تھے "کہ اب جب مولانا عبدالحق صاحب وطن (دیوبند سے) آگئے ہیں۔ اب اگر میں تدریس نہ بھی کرسکوں تو میرا ذمہ فارغ ہوگا اس لئے کہ وہ میرے عوض ہیں اور یہ ایسا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور وہ فتویٰ دینے لگے تو لقمان حکیم نے فرمایا کہ اب ان کا فتویٰ کفایت کرتا ہے۔ اس کے راوی مولانا محمد دین صاحب نے فرمایا کہ یعنی مولانا ان پر ایسے گراں تھے کہ مثالیں دے دے کر ہمیں ان کے بارہ میں سمجھایا کرتے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی آمد | شام اور عالم عرب کے ممتاز ترین جید اور محقق علامہ اور مجاہد رہنما شیخ عبدالفتاح ابوغدہ جو اس وقت ریاض سعودی عرب میں شام سے جلا وطنی کی زندگی گذار رہے ہیں اور ریاض یونیورسٹی میں علم و تحقیق کے گوہر لٹا رہے ہیں ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو دارالعلوم تشریف لائے اور یہ آپ کی دوسری بار آمد تھی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے فرزند مولانا محمد بنوری ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ دفتر میں دیر تک قیام فرمایا۔ پھر دارالعلوم کے مختلف شعبوں بالخصوص کتب خانہ دیکھا۔ مسجد دارالعلوم میں نماز ظہر کی امامت فرمائی اور طلبہ و اساتذہ کو زیارت نصیب ہوئی۔

اس کے بعد جناب مدیر الحق کے مکان پر چند گھنٹے آرام فرمایا۔ کتاب الآراء میں دارالعلوم اور حضرت بانی دارالعلوم کے بارہ میں فصیح و بلیغ جامع اور عمیق تاثرات کو قلم بند کیا جس میں سے چند جملے یہ ہیں۔

فهي دارٌ اسست على التقوى والدين
و نشر الكتاب والسنة بين المسلمين بالعلم
والعمل والجهد والاجتهاد فخرج طلابها شيوخًا
في العلم وقادةً في الجهاد فآتاهم الله الفضل
بطرفيه جلول انظار مولانا الشيخ عليهم و
توجيهم اليهم

دارالعلوم ایسی جگہ ہے جس کی بنیاد تقویٰ، مسلمانوں میں
کتاب و سنت کی اشاعت کے لئے رکھی گئی ہے
وہ بھی علم و عمل محنت وجد و جہد و جہاد کے ذریعہ۔
اس وجہ سے اس کے طلبہ علم کے شیوخ اور جہاد کے قائد
بن کر نکلتے ہیں۔ انہیں ہر لحاظ سے ہمارے شیخ (مولانا
عبدالحق مدظلہ) کی توجہات عالیہ اور نظر کرم سے اللہ تعالیٰ
نے اپنے فضل و رحمت سے نوازا۔

اس سے قبل تحریر فرماتے ہیں:۔

الحمد للہ الذی اکرمنی بزیارۃ دارالعلوم الحقانیہ والاکتحال برؤیتہا و رؤیۃ شیوخہا الافاضل وتاجہم البہیج صاحب العطر الاریج مولانا العلامۃ الجلیل والدراکۃ النبیل والامام الجلیل الشیخ عبدالحق اَمَدَّ اللہ العظیم ظلہ ونفع بہ العباد و البلاد وانار بہ الحق لطالبیہ وامتع بہ محبیہ ومریدیہ — وانّ لقاء مثل شیخنا الاجل المفضال بلسم الروح والقلب وغذاء للعزم والہمۃ واستنارۃٌ بروح اہل الروح وائمۃ العلم والرسوخ فلقاءہ غذاءٌ من غذاء وشفاءٌ من الداء العمیاء، فالحمد للہ انی سعدت بلثم یدیہ والجلوس لدیہ

الحمد للہ کہ اللہ نے مجھے دارالعلوم حقانیہ کے رویتہ سے نوازا۔ کہ اس کے دیکھنے کا سرمہ نگاہوں میں ڈال سکا۔ اس کے مشائخ بالخصوص ان مشائخ کے سرتاج وانوار روحانی کی مہک سے سرشار مولانا علامہ جلیل اور دانائے بصیر امام معظم شیخ عبدالحق کی زیارت سے نوازا۔ اللہ ان کے سایہ سے اپنے بندوں اور ملک کو نفع مند کرتا رہے۔ طالبین حق کے لئے حق ان کے ذریعہ روشن ہوتا رہے۔ ان کے معتقدین اور مریدین کو ان سے فیض یاب کرتا رہے۔ ان کی زیارت روح کی تقویت عزم وہمت کی غذا اور روحانیوں کی روحانیت میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔ ان کی زیارت غذائے روح اور شفائے امراض باطنی ہے۔ الحمد للہ کہ میں ان کے ہاتھ چومنے اور صحبت میں بیٹھنے سے مشرف ہوا۔

متفرقات | ۲۷ سے ۲۹ اکتوبر کو رورل اکیڈمی پشاور میں ریفریشر کورس کرنے والے پاکستان کے اہم افسران (سی پی ایس) کے ایک گروپ نے دینی ماحول اور تربیت کے پیش نظر دارالعلوم میں قیام کیا۔ دارالعلوم نے اہم موضوعات پر سہ روزہ لیکچر دینے کا خصوصی انتظام کیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس بخاری میں شرکت کے علاوہ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب اٹک اور اساتذہ دارالعلوم میں سے مولانا مفتی محمد فرید صاحب۔ مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا مصطفٰے حسن صاحب۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب نے مآخذ اربعہ کتاب و سنت سیرت نبوی حجیت حدیث اعجاز قرآن وغیرہ موضوعات پر لیکچر دئے اس سہ روزہ قیام کے ان حضرات نے نہایت بہتر اثرات محسوس کئے اور اسے علمی و مطالعاتی زندگی کا ایک یادگار اور مفید ترین تجربہ قرار دیا۔ ★ ۳۰ اکتوبر کو مولانا سمیع الحق صاحب نے دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت کے سالانہ اجتماع اور نئی عمارت کی رسم تاسیس میں شرکت کی، خطاب کیا۔ اس سفر میں آپ نے فضلاء حقانیہ کا قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم حلیمیہ پیزو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا بھی معائنہ کیا۔ اور مولانا محمد حسن مہتمم مدرسہ اور دیگر فضلاء حقانیہ اساتذہ کی حسن کارکردگی سے بے حد متاثر ہوئے ★ ۲ دسمبر کو آپ نے مولانا محمد عثمان صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام نوشہرہ کی دعوت پر موضع تارو جبہ میں ان کے قائم کردہ دینی مدرسہ کا افتتاح فرمایا ★ ۴ دسمبر کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ہاتھوں مدرسہ ربانیہ شیدو تحصیل نوشہرہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ یہ مدرسہ ایک مخیر جناب حاجی عبدالرب خان صاحب شیدو کی مساعی کا مرہون منت ہے ★ ۲۹ نومبر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے فرزند جناب محمود الحق حقانی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کی تقریب شادی منعقد ہوئی دعوت ولیمہ میں سینکڑوں احباب و اقارب نے شمولیت کی جن میں ہر طبقہ خیال کے زعماء علماء اور عمائدین بھی شامل ہیں۔

★ مولانا مفتی محمد فرید

★ اختر راہی

تعارف و تبصرہ کتب

حضرت معاویہؓ و استخلاف یزید
بجواب تحقیق مزید علی خلافۃ معاویہ و یزید | از مولانا سید لعل شاہ بخاری صفحات ۷۴
قیمت ۳۵ روپے ۔ پتہ مدنی مسجد لالق علی چوک واہ کینٹ

اس کتاب کو معتمد ارباب فتویٰ نے قابل اعتراض قرار دیا ہے ۔ اس کتاب میں شیعہ پروری کی گئی ہے ۔ کتاب کے مصنف نے صہ ۱۳۴ پر لکھا ہے کہ اقرب الی الاحتیاط یہ ہے کہ حضرت معاویہ کو کاتب رسول کہا جائے ، کاتب وحی نہ کہا جاتے ۔ اور صہ ۲۱۶ پر ہے کہ ہمارے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ ۴۱ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہو کر عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہیں اور ۴۷ھ میں عصبیت مضر کی پشت پناہی میں اپنے بیٹے کو نامزد کر دیتے ہیں ۔ اور صہ ۲۲۰ میں بخاری شریف کی حدیث اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم کے متعلق لکھا ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ ہے ۔ اور صہ ۲۳۳ میں مسلم شریف کی حدیث " ومعاویۃ تجعلہ کاتبا بین یدیک " کے متعلق لکھا ہے کہ میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے یہ روایت بجمیع اجزاء ہا ومقاصدہا باطل ہے (وغیر ذالک) یہ مصنف کے مائل بہ رفض ہونے کے چند شواہد ہیں ۔

بہر حال فاضل مصنف نے محدثین اور فقہاء کے مسلمہ اصول ۔ عدالت[۱] صحابہ ۔ مشاجرات[۲] صحابہ سے امساک ، صحیحین[۳] کے قدر یسیر کے علاوہ دیگر احادیث کی صحت کو اتباع ھویٰ کی وجہ پامال کر کے بڑی جسارت کی ہے ۔ ضروری ہے کہ مصنف کتاب میں ترمیم و اصلاح کرے ۔ اور بے علم اور کم علم مسلمانوں کو صحابہ سے بدظن نہ کرائیں ۔ اور بنیاد اسلام میں تزلزل پیدا نہ کریں ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

(مولانا) محمد فرید عفی عنہ مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ

جمعیۃ العلماء ہند (دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام) حصہ اوّل | مؤلف پروین روزینہ

ناشر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ ۔ اسلام آباد ۔ قیمت ۶۵ روپے ۔ صفحات ۵۰۰ تقطیع المحق " سائز " ۔ جمعیۃ العلماء ہند نے برصغیر پاک و ہند کی تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا ۔ مگر ہمارے اہل قلم نے جمعیۃ العلماء ہند کی تاریخ اور اس کی مساعی پر کچھ زیادہ نہ لکھا ۔ اردو میں سید طفیل احمد منگلوری اور مولانا سید محمد میاں مرحوم کی تحریریں ہی معلومات کا سرمایہ تھیں ۔ انگریزی میں ضیاء الحسن فاروقی ، ڈاکٹر مشیر الحق ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ، پی ۔ ہارڈی اور فرانسس رابنسن نے اپنی کتابوں میں علماء کرام اور جمعیۃ علمائے ہند کا تذکرہ

اپنے اپنے مخصوص زاویہ سے کیا ہے۔ ان تالیفات کے باوجود اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی تھی کہ جمعیت کے سالانہ اجلاسوں کے خطبات استقبالیہ و صدارت اور ان اجلاسوں میں منظور شدہ قراردادیں مناسب ترتیب و تدوین کے ساتھ شائع ہوں تاکہ تحریک آزادی کا ایک طالب علم وقت کے دھارے کے ساتھ جمعیۃ العلماء کی سوچ کا خود جائزہ لے سکے۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت مبارکباد کا مستحق ہے کہ اس نے یہ کام اپنی ایک سکالر آنسہ پروین روزینہ کو تفویض کیا۔ اور انہوں نے تحقیقی لگن اور محنت سے مکمل کیا۔ جمعیۃ کا ریکارڈ ایک جگہ محفوظ نہیں ہے۔ آنسہ پروین روزینہ نے مختلف کتب خانوں اور ذاتی ذخائر کتب سے استفادہ کرکے یہ کام بطریقِ احسن انجام دیا ہے۔

جمعیۃ العلماء کے یوم تاسیس سے ۱۹۴۵ء تک کل ۱۴ سالانہ اجلاس ہوتے۔ ان میں سے ۱۹۲۷ء تک پہلے آٹھ اجلاسوں کے خطباتِ صدارت اور قراردادیں کتاب کی زیر نظر اول جلد میں آگئی ہیں۔ باقی اجلاسوں کے خطباتِ صدارت اور قراردادیں جلد دوم میں شامل ہوں گی۔ زیر نظر جلد میں ضمیموں کی صورت میں چند ایسی دستاویزات بھی شامل ہیں جن کا خطباتِ صدارت اور جمعیۃ العلماء کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔

آنسہ پروین روزینہ صاحبہ نے مقدمہ میں جمعیت العلماء کے قیام کا پس منظر، جمعیت کے مسلم لیگ اور کانگرس کے ساتھ روابط نیز جمعیت کی مساعی کا اختصار اور جامعیت سے جائزہ لیا ہے۔

افغانوں کی نسلی تاریخ | مؤلفہ خان روشن خان۔ ناشر روشن خان اینڈ کمپنی جونا مارکیٹ، دھول چوک) کراچی ۲۔ صفحات ۸۰۔ قیمت ۳ روپے

افغانوں (پٹھانوں) کے بارے میں یہ نظریہ مقبول و متداول ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے نسلی رشتہ رکھتے ہیں یہی سبب ہے کہ بعض افغان اہل علم نے اپنے لئے "اسرائیلی" کی نسبت استعمال کی ہے۔ حال میں بعض علماء نے اس مقبول نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے افغانوں کو نسلی طور پر آریائی قرار دیا ہے۔ اکا دکا حضرات نے دونوں نظریوں میں تطبیق کی خاطر افغانوں کو آریاؤں اور بنی اسرائیل کی مخلوط نسل بتایا ہے۔

خان روشن خان جو خود افغان (پٹھان) ہیں اور افغانوں کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے اس موضوع پر قابلِ ذکر تحریریں سامنے آچکی ہیں۔ "تواریخ حافظ رحمت خانی" پر ان کے حواشی نے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ایک دوسری کتاب "پٹھانوں کی تاریخ اور اصلیت" کے موضوع پر "تذکرہ" کے نام سے لکھی ہے جس کے دو ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ میں خان صاحب نے اس نقطۂ نظر کی تائید کی ہے کہ افغانوں (پٹھانوں) کا نسلی تعلق بنی اسرائیل ہی سے ہے اور انہیں آریائی نسل سے منسلک کرنا غلط ہے انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں مختلف مورخین اور تذکرہ نگاروں کے حوالے بھی یکجا کردئیے ہیں۔ (اختر راہی)

ترقی کے ساحل کی سمت گامزن
قومی ترقی اور خوش حالی
کی سمت رواں دواں،
پی این ایس سی اپنے
وسیع تر وسائل، عظیم تر صلاحیتوں
اور خدمت کے نئے ولولے کے ساتھ
قومی جہازرانی کی ضروریات کو
پورا کرنے میں ایک اہم کردار ادا
کر رہی ہے
پی این ایس سی قوم کی خدمت
کیلئے ہر وقت کوشاں
PNSC
پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہازران ادارہ

February 1982

REGD-NO.P-90